بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

علمی و تحقیقی سلسلہ

باجماعت نماز

کا شرعی حکم

مرد حضرات کو مسجد اور غیر مسجد میں باجماعت نماز کا شرعی حکم

نماز باجماعت کی فضیلت سے متعلق احادیث و روایات

نماز باجماعت کے بارے میں فقہائے کرام کے اقوال

معذور و مجبور کے لیے ترکِ جماعت کا حکم

اس سلسلے میں افراط و تفریط کے درمیان راہِ اعتدال پر کلام

حاکم کے تکثیرِ جماعت و جمعہ سے منع کرنے پر حکم

گھر میں فرض نماز پڑھنے اور اذان و اقامت کا طریقہ

دفعِ وباء کے لیے اذان دینے کا حکم

مصنِّف

مفتی محمد رضوان خان

ادارہ غفران راولپنڈی پاکستان

www,idaraghufran.org

(جملہ حقوق بحق ادارہ غفران محفوظ ہیں)

نام کتاب: باجماعت نماز کا شرعی حکم

مصنّف: مفتی محمد رضوان خان

صفحات:

طباعتِ اول:

ملنے کے پتے

www,idaraghufran.org

فہرست

مضامین	صفحہ نمبر
تمہید (من جانبِ مؤلف)	4
باجماعت نماز کا شرعی حکم	5
سوال:	//
جواب:	
باجماعت نماز کے متعلق اقوالِ فقہاء	//
باجماعت نماز کی فضیلت سے متعلق احادیث وروایات	14
مسجد یا غیر مسجد میں جماعت کا درجہ	21
جماعت کی فضیلت کتنے افراد سے حاصل ہوجاتی ہے؟	30
عذر کی صورت میں ترکِ جماعت کا حکم	41
اجتہادی مسائل میں نکیر کی ممانعت	53
(ضمیمہ) حاکم کے تکثیرِ جماعت وجمعہ سے منع کرنے پر حکم	59
گھر میں فرض نماز پڑھنے اور اذان واقامت کا طریقہ	68
دفعِ وباء کے لیے اذان دینے کا حکم	71
(ضمیمۂ ثانیہ) حاکم کے تکثیرِ جماعت سے منع کرنے پر جمعہ کا حکم	76

www,idaraghufran.org

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمہید

(من جانبِ مؤلف)

بعض شرعی وفقہی مسائل وہ ہوتے ہیں، جو اجتہادی ہونے کی بناء پر فقہائے کرام کے مابین، اختلافی ہوتے ہیں، لیکن کسی خاص زمانے وعلاقے میں فقہائے کرام میں سے کسی ایک قول کے معروف ومشہور اور مقبول ومفتیٰ بہ ہوجانے کی وجہ سے زیادہ تشہیر وتبلیغ ہوجاتی ہے، اور دوسرے اقوال سے نظر ہٹ جاتی ہے، ایسی صورت میں جب فقہائے کرام میں سے کسی دوسرے قول پر عمل کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے، یا کوئی اس قول کے مطابق عمل کرتا ہے، تو اس پر نکیر و بے جا تنقید کی جاتی ہے، اور بعض اوقات یہ سلسلہ طرفین سے اس درجہ ترقی اور زور پکڑ جاتا ہے کہ بحث ومباحث اور مناظرہ ومجادلہ کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے۔

جن میں ایک مسئلہ باجماعت نماز پڑھنے اور بالخصوص مسجد میں باجماعت نماز پڑھنے کا ہے کہ ہمارے یہاں ایک عرصے سے اس کے متعلق فرض، واجب یا سنتِ مؤکدہ علی العین ہونے کے قول کی اس طرح تشہیر ہوگئی ہے کہ مخصوص حالات، یا اعذار میں بھی اس کی خلاف ورزی کو گناہ، بلکہ سخت گناہ سمجھا جاتا ہے، اور اس پر ہر طرح کی نکیر کا طرزِ عمل اپنایا جاتا ہے۔

اس مسئلے کے متعلق ایک سوال کے جواب میں بندہ نے فقہائے کرام کے اقوال کی روشنی میں کچھ تفصیل ذکر کی ہے، جس کو آئندہ اوراق میں پیش کیا جارہا ہے۔

اللہ تعالیٰ اعتدال کو اختیار کرنے کی توفیق عطاء فرمائے، اور فقہائے کرام کے مابین اجتہادی واختلافی اور فروعی مسائل میں نکیر و بے جا تنقید سے حفاظت فرمائے۔ آمین۔ فقط

وَاللّٰہُ سُبۡحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعۡلَمُ

محمد رضوان خان 29 / جمادی الاخری / 1441ھ 24 / فروری / 2020 بروز پیر

ادارہ غفران، راولپنڈی، پاکستان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باجماعت نماز کا شرعی حکم

سوال:

کیا فرماتے ہیں مفتیانِ دین اس مسئلے کے بارے میں کہ:

مرد حضرات کے لیے باجماعت نماز پڑھنے، اور خاص طور پر مسجد میں باجماعت نماز پڑھنے کا کیا حکم ہے؟

کیونکہ ہم نے بہت سے علماء کو باجماعت نماز پر اتنا زور دیتے ہوئے سنا کہ اگر کوئی اتفاق سے نماز باجماعت کو ترک کر دے، یا کسی وقت مسجد میں باجماعت، نماز نہ ادا کر دے، تو اس کو فاسق و گمراہ قرار دیا جاتا ہے، اسی وجہ سے بہت سے لوگ معقول عذر ہوتے ہوئے بھی باجماعت نماز کے اہتمام بلکہ مسجد میں جا کر نماز پڑھنے پر زور دیتے ہیں، اور اگر کوئی مسجدِ شرعی نہ ہو، بلکہ مصلیٰ ہو، وہاں نماز باجماعت پڑھنے کو برا سمجھتے ہیں، اور اس کو بدعت قرار دیتے ہیں، اور اس کے نتیجے میں بعض اوقات غیر معمولی جانی و مالی نقصان بھی پیش آجاتا ہے۔

اور بعض عوام جب سنتے ہیں کہ باجماعت نماز پڑھنا فرض یا واجب ہے، تو وہ جماعت سے نماز نہ پڑھنے کی وجہ سے بعد میں تنہا نماز بھی نہیں پڑھتے، اور سمجھتے ہیں کہ جب بغیر جماعت کے نماز پڑھنے کی صورت میں بھی ہم گناہ گار ہیں، پھر تنہا پڑھنے کا کیا فائدہ؟

لہٰذا آپ سے گزارش ہے کہ باجماعت نماز پڑھنے اور مسجد میں جا کر باجماعت نماز پڑھنے کے بارے میں فقہائے کرام کی کیا آراء ہیں، ان پر روشنی ڈال دیں؟

امید ہے کہ اس بارے میں تفصیل کے ساتھ جواب سے مستفید فرمائیں گے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جواب:

خواتین کے لیے نماز باجماعت کی تاکید نہیں، البتہ مرد حضرات کے لیے فرض نماز باجماعت کی فضیلت واہمیت اور تاکید ہے۔

لیکن مرد حضرات کے لیے فرض نماز باجماعت کے متعلق فقہائے کرام کی آراء مختلف ہیں۔

باجماعت نماز کے متعلق اقوالِ فقہاء

جس کی تفصیل یہ ہے کہ جب تک کوئی معتبر عذر نہ ہو، اس وقت تک مرد حضرات کو فرض نماز باجماعت پڑھنا بعض فقہائے کرام کے نزدیک سنتِ مؤکدہ ہے، جو واجب کے مشابہ ہے، متعدد مشائخِ حنفیہ نے اسی قول کو اختیار کیا ہے۔

اور بعض فقہائے کرام کے نزدیک فرض نماز کو باجماعت پڑھنا فرض، یا واجب علی العین ہے، حنابلہ اور بعض دوسرے حضرات کا یہی قول ہے۔

جبکہ بعض فقہائے کرام کے نزدیک باجماعت نماز پڑھنا فرضِ کفایہ یا واجب علی الکفایہ ہے، شافعیہ کا اصح یعنی زیادہ صحیح قول اور حنابلہ ومالکیہ کا ایک قول اسی کے مطابق ہے۔

جبکہ حنابلہ ومالکیہ کا ایک قول بھی سنتِ مؤکدہ کفایہ ہونے کا ہے۔

حنفیہ میں سے امام کرخی اور امام طحاوی کا قول بھی شافعیہ وغیرہ کے مطابق یہی ہے کہ فرض نماز باجماعت کی فرضیت یا وجوبیت اور تاکید تو کفایہ درجہ کی ہے، اس کے بعد بقیہ لوگوں کے لیے باعثِ فضیلت ہے، جس کی رُو سے اگر علاقہ کے کچھ لوگ جماعت کے ساتھ فرض نماز ادا کرلیں، تو اس علاقہ کے دوسرے لوگ صرف ترکِ جماعت کی وجہ سے گناہ گار نہیں ٹھہرتے، بشرطیکہ اس علاقہ کی مسجد میں کچھ لوگ باجماعت نماز ادا کریں، اور مساجد کا بالکلیہ معطل کرنا لازم نہ آئے، اور اس علاقہ میں اسلام کا شعار ظاہر ہو۔

www,idaraghufran.org

فقہائے کرام کی عبارات میں ان سب چیزوں کی تصریح وتوضیح پائی جاتی ہے۔ [1]

[1] ذهب الحنفية -فى الأصح -وأكثر المالكية، وهو قول للشافعية، إلى أن صلاة الجماعة فى الفرائض سنة مؤكدة للرجال،وهى شبيهة بالواجب فى القوة عند الحنفية.
وصرح بعضهم بأنها واجبة -حسب اصطلاحهم -واستدلوا بما روى عن النبى صلى الله عليه وسلم أنه قال :صلاة الجماعة تفضل على صلاة الفذ بسبع وعشرين درجة وفى رواية :بخمس وعشرين درجة، فقد جعل النبى صلى الله عليه وسلم الجماعة لإحراز الفضيلة، وذا آية السنن، وقال عبد الله بن مسعود فى الصلوات :إنها من سنن الهدى .
وذهب الشافعية -فى الأصح عندهم -، إلى أنها فرض كفاية، وهو قول بعض فقهاء الحنفية، كالكرخى والطحاوى، وهو ما نقله المازرى عن بعض المالكية . واستدلوا بقول النبى صلى الله عليه وسلم :ما من ثلاثة فى قرية ولا بدو لا تقام فيهم الصلاة إلا قد استحوذ عليهم الشيطان، فعليك بالجماعة فإنما يأكل الذئب القاصية .
وقد فصل بعض المالكية فقالوا :إنها فرض كفاية من حيث الجملة أى بالبلد؛ فيقاتل أهلها عليها إذا تركوها، وسنة فى كل مسجد وفضيلة للرجل فى خاصة نفسه .
وذهب الحنابلة، وهو قول للحنفية والشافعية إلى أنها واجبة وجوب عين وليست شرطا لصحة الصلاة، خلافا لابن عقيل من الحنابلة، الذى ذهب إلى أنها شرط فى صحتها قياسا على سائر واجبات الصلاة(الموسوعة الفقهية الكويتية،ج۲۷،ص۱۶۶،ماده،صلاة الجماعة)
اتفق الفقهاء على صحة أداء صلاة الفريضة فى البيت للرجل والمرأة .وذهب الحنابلة إلى أن الرجل يأثم إن صلى الفريضة منفردا فى البيت، مع صحة صلاته، بناء على قولهم بوجوب صلاة الجماعة على الرجال الأحرار القادرين عليها، وذهب الشافعية إلى أنها فرض كفاية، وذهب المالكية والحنفية إلى أنها سنة مؤكدة، مع اتفاق فقهاء المذاهب على أن الجماعة ليست شرطا فى صحة الصلاة، إلا على قول ابن عقيل من الحنابلة.
واتفق الفقهاء على أن صلاة الرجل فى المسجد جماعة أفضل من صلاته منفردا فى البيت(الموسوعة الفقهية الكويتية،ج۸،ص۲۳۱،ماده،بيت)
ولما كان الوجوب قد ينفك عن الشرطية قال أحمد إنها واجبة غير شرط انتهى وظاهر نص الشافعى أنها فرض كفاية وعليه جمهور المتقدمين من أصحابه وقال به كثير من الحنفية والمالكية والمشهور عند الباقين أنها سنة مؤكدة(فتح البارى شرح صحيح البخارى،ج۲،ص۱۲۶،قوله باب وجوب صلاة الجماعة)
هذه الصلاة وإن كانت هى وغيرها من الصلوات الخمس يجب الاجتماع لها، وترك التخلف عن ذلك، فإن ذلك من الفروض التى هى على العامة، وتسقط عنهم بقيام بعض الخاصة، فكيف تقبلون عن رسول الله صلى الله عليه وسلم هذا الوعيد فيما كان كذلك؟ فكان جوابنا له فى ذلك :أن الصلوات الخمس واجب الحضور لها، وإقامتها بالجماعات، وإن كان ذلك مما قد يسقط بقيام بعض الناس دون بعض عن بقيتهم، وأنه قبل سقوطه عنهم بذلك يؤمرون جميعا،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www,idaraghufran.org

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ فرضِ نماز کے فرضِ کفایہ یا واجب علی الکفایۃ وغیرہ ہونے کا

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ویؤخذون به حتى تقام الصلاة على ما أمر الله عز وجل أن تقام عليه، حتى يسقط الفرض، كان فيها بـمـا يسقط به (شرح مشكل الآثار، ج١٥، ص ١٠٦، باب بيان مشكل ما روى عن أبى هريرة، عن رسول الله صلى الله عليه وسلم فى الصلاة التى كان من رسول الله صلى الله عليه وسلم فى التخلف عنها الوعيد المذكور فى الحديث الذى ذكرناه فى الباب الأول، أى الصلوات هى؟)

فكان من رسول الله عليه السلام ما قد عقلنا أن حضور الجماعات واجب على المطيقين له، وأن ذلك مما يخاطب به جميع أهله قبل سقوط فرضه عمن سقط عنه بقيام غيره به (ايضاً، ص ١١١)

وكان شيخنا أبو الحسن الكرخى يقول :هو عندى فرض على الكفاية كغسل الموتى ودفنهم والصلاة عليهم، متى قام بها بعضهم سقط عن الباقين(أحكام القرآن،لابى بكر الجصاص، ج٣،ص ٤١،سورة الأعراف،مطلب :في وجوب فعل المكتوبات فى جماعة)

وتجب الجماعة على الرجال للمكتوبة وتصح بدونها وفعلها فى المسجد فرض كفاية وعنه فرض عين(المحرر فى الفقه على مذهب الإمام أحمد بن حنبل،لابن تيمية، ج١،ص ٩٢، كتاب الصلاة،باب صلاة الجماعة)

تنازع العلماء بعد ذلك فى كونها واجبة على الأعيان أو على الكفاية أو سنة مؤكدة على ثلاثة أقوال :فقيل :هى سنة مؤكدة فقط وهذا هو المعروف عن أصحاب أبى حنيفة وأكثر أصحاب مالك وكثير من أصحاب الشافعى ويذكر رواية عن أحمد .وقيل :هى واجبة على الكفاية وهذا هو المرجح فى مذهب الشافعى وقول بعض أصحاب مالك وقول فى مذهب أحمد .وقيل هى واجبة على الأعيان ؛ وهذا هو المنصوص عن أحمد وغيره من أئمة السلف وفقهاء الحديث وغيرهم(مجموع الفتاوى،لابن تيمية،ج٢٣،ص٢٢٦،باب صلاة الجماعة)

اختلف العلماء فى حكم صلاة الجماعة.

فذهبت طائفة من الحنفية والمالكية والشافعية :إلى أنها سنة مؤكدة.

وذهبت طائفة أخرى من هؤلاء إلى أنها فرض كفاية، إذا قام بها من يكفى، سقطت عن الباقين.

وذهب الإمام أحمد وأتباعه، وأهل الحديث، إلى أنها فرض عين.

وبالغت الظاهرية، فذهبوا إلى أنها شرط لصحة الصلاة (تيسير العلام شرح عمدة الاحكام، ص ١٠٧، كتاب الصلاة، باب فضل صلاة الجماعة ووجوبها)

وحكى ابن عبد البر الإجماع على أنه لا يجوز أن يجتمع على تعطيل المساجد كلها من الجماعات، وبذلك رجح قول من قال :إن الجماعة فرض كفاية (فتح البارى لابن رجب، ج٥، ٤٥١، كتاب الآذان، باب وجوب صلاة الجماعة)

وظاهره أنها سنة فى البلد وفى كل مسجد وفى حق كل مصل وهذه طريقة الأكثر وقتال أهل البلد على تركها على هذا القول لتهاونهم بالسنة وقال ابن رشد وابن بشير إنها فرض كفاية بالبلد يقاتل أهلها عليها إذا تركوها وسنة فى كل مسجد ومندوبة للرجل فى خاصة نفسه قال الأبى وهذا أقرب

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www,idaraghufran.org

قول بھی متعدد فقہائے کرام کا ہے، جس کو بعض حنفیہ نے قوی تر قرار دیا ہے، اور یہ شاذ درجہ کا قول نہیں ہے۔ ۱؎

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

للتحقيق(حاشية الدسوقى، ج ا ،ص ۳۲۰،فصل حكم صلاة الجماعة وما يتعلق بها)

لو أقام الجماعة طائفة يسيرة من أهل البد وأظهروها فى كل البلد ولم يحضرها جمهور المقيمين فى البلد حصلت الجماعة ولا إثم على المتخلفين كما إذا صلى على الجنازة طائفة يسيرة هكذا قاله غير واحد وظاهر الحديث الصحيح فى الهم بتحريق بيوت المتخلفين عن الجماعة يخالف هذا ولكن هم النبى صلى الله عليه وسلم بتحريقهم ولم يفعل ولو كان واجبا لما تركه(المجموع شرح المهذب، ج۴،ص ۱۸٦ ،باب صلاة الجماعة)

۱؎ (واحتج) أصحابنا والجمهور على أنها ليست بفرض عين بقوله صلى الله عليه وسلم "صلاة الجماعة أفضل من صلاة الفذ بسبع وعشرين درجة "رواه البخارى ومسلم من رواية ابن عمر وروياه من رواية أبى هريرة وقال "بخمس وعشرين درجة "ورواه البخارى أيضا من رواية أبى سعيد قالوا ووجه الدلالة أن المفاضلة انما تكون حقيقتهما بين فاضلين جائزين (والجواب) عن حديث الهم بتحريق بيوتهم من وجهين(أحدهما)جواب الشافعى وغيره أن هذا ورد فى قوم منافقين يتخلفون عن الجماعة ولا يصلون فرادى وسياق الحديث يؤيد هذا التأويل وقوله فى حديث ابن مسعود رأيتنا وما يتخلف عنها إلا منافق صريح فى هذا التأويل (والثانى) أنه صلى الله عليه وسلم قال لقد هممت ولم يحرقهم ولو كان واجبا لما تركه (فان قيل) لو لم يجز التحريق لماهم به (قلنا) لعله هم به بالاجتهاد ثم نزل وحى بالمنع منه أو تغير الاجتهاد وهذا تفريع على الصحيح فى جواز الاجتهاد له صلى الله عليه وسلم وأما حديث ابن مسعود فليس فيه تصريح بأنها فرض عين وإنما فيه بيان فضلها وكثرة محافظته عليها وأما حديث الأعمى فجوابه ما أجاب به الأئمة الحفاظ الفقهاء أبو بكر محمد بن اسحق بن خزيمة والحاكم وابو عبد الله والبيهقى قالوا لا دلالة فيه لكونها فرض عين لأن النبى صلى الله عليه وسلم رخص لعتاب حين شكا بصره أن يصلى فى بيته وحديثه فى الصحيحين قالوا وإنما معناه لا رخصة لک تلحقک بفضيلة من حضرها وأما حديث ابن عباس فتقدم بيان ضعفه وأما حديث جابر وأبى هريرة فضعيفان فى إسنادهما ضعيفان(المجموع شرح المهذب، ج۴،ص ۱۹۲ ،باب صلاة الجماعة)

وظاهر نص الشافعى أنها فرض كفاية وعليه جمهور أصحابه المتقدمين، وصححه النووى فى المنهاج كأصل الروضة، وبه قال بعض المالكية، واختاره الطحاوى والكرخى وغيرهما من الحنفية لحديث أبى داود، وصححه ابن حبان وغيره :ما من ثلاثة فى قرية أو بلد ولا تقام فيه الصلاة إلا استحوذ عليهم الشيطان أى غلب.

ويمكن أن يقال التهديد بالتحريق وقع فى حق تاركى فرض الكفاية لمشروعية قتال تاركى فرض الكفاية.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www,idaraghufran.org

برصغیر کی معروف ومشہور علمی شخصیت، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ نے بھی فرض علی الکفایہ کے قول کو ترجیح دی ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وأجيب عن حديث الباب بأنه هم ولم يفعل، ولو كانت فرض عين لما تركهم، أو أن فرضية الجماعة نسخت، أو أن الحديث ورد فى قوم منافقين يتخلفون عن الجماعة ولا يصلون، ما يدل عليه السياق . فليس التهديد لترك الجماعة بخصوصه فلا يتم الدليل . وتعقب بأنه يبعد اعتناؤه عليه الصلاة والسلام بتأديب المنافقين على تركهم الجماعة مع علمه بأنه لا صلاة لهم . وقد كان عليه الصلاة والسلام معرضا عنهم وعن عقوبتهم مع علمه بطويتهم.
وأجيب بأنه لا يتم إلا أن أدعى أن ترك معاقبة المنافقين كان واجبا عليه ولا دليل على ذلك وإذا ثبت أنه كان مخيرا فليس فى إعراضه عنهم ما يدل على وجوب ترك عقوبتهم . وفى قوله فى الحديث الآتى، إن شاء الله، بعد أربعة أبواب : ليس صلاة أثقل على المنافقين من العشاء والفجر، دلالة على أنه ورد فى المنافقين . لكن المراد نفاق المعصية لا نفاق الكفر كما يدل عليه حديث أبى هريرة المروى فى أبى داود، ثم آتى قوما يصلون فى بيوتهم ليست بهم علة . نعم سياق حديث الباب يدل على الوجوب من جهة المبالغة فى ذم من تخلف عنها.
ومحل الخلاف إنما هو فى غير الجمعة، أما هى فالجماعة شرط فى صحتها وحينئذ فتكون فيها فرض عين . ثم إن التقييد بالرجال فى قوله : ثم أخالف إلى رجال، يخرج الصبيان والنساء فليست فى حقهن فرضا جزما، والخلاف السابق فى المؤداة.
أما المقضية فليست الجماعة فيها فرض عين ولا كفاية، ولكنها سنة(إرشاد السارى لشرح صحيح البخارى،للقسطلانى، ج۲،ص۲۵،باب وجوب صلاة الجماعة)
الأصح المنصوص كما قاله النووى انها فرض كفاية لخبر ما من ثلاثة فى قرية أو بدو لا تقام فيهم الجماعة إلا استحوذ عليهم الشيطان أى غلب رواه أبو داود وغيره وصححه ابن حبان وغيره وليست فرض عين لخبر صلاة الجماعة أفضل من صلاة الفذ فإن المفاضلة تقتضى جواز الانفراد وأما خبر أثقل الصلاة على المنافقين صلاة العشاء وصلاة الفجر ولو يعلمون ما فيهما لأتوهما ولو حبوا ولقد هممت أن آمر بالصلاة فتقام ثم آمر رجلا فيصلى بالناس ثم انطلق معى برجال معهم حزم من حطب إلى قوم لا يشهدون الصلاة فأحرق عليهم بيوتهم بالنار فوارد فى قوم منافقين يتخلفون عن الجماعة ولا يصلون فرادى والسياق يؤيده ولأنه صلى الله عليه وسلم لم يحرقهم وإنما هم بتحريقهم لكن لعله باجتهاد ثم نزل الوحى بالمنع أو كان قبل تحريم المثلة.
ولو تركها أهل بلد أو قرية قاتلهم الإمام على كونها فرض كفاية ولا يسقط عنهم الحرج إلا بإقامتهم لها بحيث يظهر شعارها فيما بينهم ففى القرية الصغيرة يكفى إقامتها بموضع واحد وفى الكبيرة تجب إقامتها بمواضع ولو بطائفة يسيرة بحيث يظهر الشعار فى المحال وغيرها فلا تكفى إقامتها فى البيوت وإن ظهرت فى الأسواق وحينئذ فالمدار على ظهورها والشعار بها لا على

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ مؤطا امام مالک کی فارسی شرح ''مصفّٰی'' میں فرماتے ہیں کہ:

مسئلہ: اقوی اقوال آنست کہ جماعت فرض بالکفایہ است بوجہی کہ شعارِ اسلام ظاہر شود مثلا در قریہ صغیرہ یکجا و در کبیرہ چند جا (المصفّٰی، ج۱ص۱۲۸، باب التاکید فی حضور الجماعۃ، مطبوعہ: مطبع فاروقی، دہلی)

ترجمہ: مسئلہ: سب اقوال میں سب سے زیادہ قوی قول یہ ہے کہ فرض نماز باجماعت پڑھنا فرض علی الکفایہ ہے، اس طور پر کہ اسلام کا شعار ظاہر ہوجائے، مثلاً چھوٹے گاؤں میں ایک جگہ اور بڑے گاؤں میں چند جگہ باجماعت نماز پڑھ لی جائے (تو اس علاقہ کے دوسرے لوگ ترکِ فرض کے گناہ گار نہیں ہوتے، جیسا کہ نمازِ جنازہ کا حکم ہے) (المصفّٰی)

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ نے مذکورہ بالا عبارت میں باجماعت نماز کا جو حکم بیان فرمایا ہے، بعض فقہاء مثلاً شافعیہ وغیرہ، اس کے قائل ہیں، اور بعض حنفیہ کا بھی یہی قول ہے، اس لیے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ کے قول پر شاذ ہونے کا حکم لگانا درست نہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ کے مطابق ہمیں بھی یہی قول راجح معلوم ہوا۔

جہاں تک اُن احادیث کا تعلق ہے، جن میں نماز سے پیچھے رہ جانے اور گھر میں نماز پڑھنے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ظهورها فقط ومحل كونها فرض كفاية فى حق المؤداة للرجال المكلفين الأحرار المقيمين المستورين فلا تجب فى مقضية ولا على أنثى ولا على خنثى ولا عبد ولا مسافر ولا عار بل صحح النووى أنها فى حق العراة مساوية للانفراد وقال لو كانوا عميا أو فى ظلمة استجبت لهم بلا خلاف وآكد الجماعات بعد الجمعة صبحها ثم صبح غيرها ثم العشاء ثم العصر ثم الظهر فى أوجه احتمالين وأما الجماعة فى الظهر والمغرب قال الزركشى يحتمل التسوية بينهما ويحتمل تفضيل الظهر لاختصاصها ببدل وهو الجمعة وبالإبراد ثم المغرب(غاية البيان ،لشهاب الدين الرملى،ص ١١٠)

www,idaraghufran.org

والوں کے لیے مخصوص وعیدوں کا ذکر آیا ہے، تو اُن کے مذکورہ فقہائے کرام کی طرف سے مختلف جوابات دیے گئے ہیں، جن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔ [1]

---

[1] وظاهر نص الشافعي أنها فرض كفاية وعليه جمهور المتقدمين من أصحابه وقال به كثير من الحنفية والمالكية والمشهور عند الباقين أنها سنة مؤكدة.

وقد أجابوا عن ظاهر حديث الباب بأجوبة منها ما تقدم .

ومنها وهو ثانيها ونقله إمام الحرمين عن بن خزيمة والذى نقله عنه النووى الوجوب حسبما قال بن بزيزة إن بعضهم استنبط من نفس الحديث عدم الوجوب لكونه صلى الله عليه وسلم هم بالتوجه إلى المتخلفين فلو كانت الجماعة فرض عين ما هم بتركها إذا توجه وتعقب بأن الواجب يجوز تركه لما هو أوجب منه .

قلت وليس فيه أيضا دليل على أنه لو فعل ذلك لم يتداركها فى جماعة آخرين.

ومنها وهو ثالثها ما قال بن بطال وغيره لو كانت فرضا لقال حين توعد بالإحراق من تخلف عن الجماعة لم تجزئه صلاته لأنه وقت البيان وتعقبه بن دقيق العيد بأن البيان قد يكون بالتنصيص وقد يكون بالدلالة فلما قال صلى الله عليه وسلم لقد هممت إلخ دل على وجوب الحضور وهو كاف فى البيان.

ومنها وهو رابعها ما قال الباجى وغيره إن الخبر ورد مورد الزجر وحقيقته غير مرادة وإنما المراد المبالغة ويرشد إلى ذلك وعيدهم بالعقوبة التى يعاقب بها الكفار وقد انعقد الإجماع على منع عقوبة المسلمين بذلك وأجيب بأن المنع وقع بعد نسخ التعذيب بالنار وكان قبل ذلك جائزا بدليل حديث أبى هريرة الآتى فى الجهاد الدال على جواز التحريق بالنار ثم على نسخه فحمل التهديد على حقيقته غير ممتنع .

ومنها وهو خامسها كونه صلى الله عليه وسلم ترك تحريقهم بعد التهديد فلو كان واجبا ما عفا عنهم قال القاضى عياض ومن تبعه ليس فى الحديث حجة لأنه عليه السلام هم ولم يفعل زاد النووى ولو كانت فرض عين لما تركهم وتعقبه بن دقيق العيد فقال هذا ضعيف لأنه صلى الله عليه وسلم لايهم إلا بما يجوز له فعله لو فعله وأما الترك فلا يدل على عدم الوجوب لاحتمال أن يكونوا انزجروا بذلك وتركوا التخلف الذى ذمهم بسببه على أنه قد جاء فى بعض الطرق بيان سبب الترك وهو فيما رواه أحمد من طريق سعيد المقبرى عن أبى هريرة بلفظ لولا ما فى البيوت من النساء والذرية لأقمت صلاة العشاء وأمرت فتيانى يحرقون الحديث .

ومنها وهو سادسها أن المراد بالتهديد قوم تركوا الصلاة رأسا لا مجرد الجماعة وهو متعقب بأن فى رواية مسلم لا يشهدون الصلاة أى لا يحضرون وفى رواية عجلان عن أبى هريرة عند أحمد لا يشهدون العشاء فى الجميع أى فى الجماعة وفى حديث أسامة بن زيد عند بن ماجه مرفوعا لينتهين رجال عن تركهم الجماعات أو لأحرقن بيوتهم.

ومنها وهو سابعها أن الحديث ورد فى الحث على مخالفة فعل أهل النفاق والتحذير من التشبه بهم لا لخصوص ترك الجماعة فلا يتم الدليل أشار إليه الزين بن المنير وهو قريب من الوجه الرابع.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www,idaraghufran.org

آگے مختلف احادیث وروایات کی روشنی میں اس مسئلہ کی تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ومنها وهو ثامنها أن الحديث ورد فى حق المنافقين فليس التهديد لترك الجماعة بخصوصه فلا يتم الدليل وتعقب باستبعاد الاعتناء بتأديب المنافقين على تركهم الجماعة مع العلم بأنه لا صلاة لهم وبأنه كان معرضا عنهم وعن عقوبتهم مع علمه بطويتهم وقد قال لا يتحدث الناس أن محمدا يقتل أصحابه وتعقب بن دقيق العيد هذا التعقب بأنه لا يتم إلا إذا ادعى أن ترك معاقبة المنافقين كان واجبا عليه ولا دليل على ذلك فإذا ثبت أنه كان مخيرا فليس فى إعراضه عنهم ما يدل على وجوب ترك عقوبتهم انتهى والذى يظهر لى أن الحديث ورد فى المنافقين لقوله فى صدر الحديث الآتى بعد أربعة أبواب ليس صلاة أثقل على المنافقين من العشاء والفجر الحديث ولقوله لو يعلم أحدهم إلخ لأن هذا الوصف لائق بالمنافقين لا بالمؤمن الكامل لكن المراد به نفاق المعصية لا نفاق الكفر بدليل قوله فى رواية عجلان لا يشهدون العشاء فى الجميع وقوله فى حديث أسامة لا يشهدون الجماعة وأصرح من ذلك قوله فى رواية يزيد بن الأصم عن أبى هريرة عند أبى داود ثم آتى قوما يصلون فى بيوتهم ليست بهم علة فهذا يدل على أن نفاقهم نفاق معصية لا كفر لأن الكافر لا يصلى فى بيته إنما يصلى فى المسجد رياء وسمعة فإذا خلا فى بيته كان كما وصفه الله به من الكفر والاستهزاء نبه عليه القرطبى وأيضا فقوله فى رواية المقبرى لولا ما فى البيوت من النساء والذرية يدل على أنهم لم يكونوا كفارا لأن تحريق بيت الكافر إذا تعين طريقا إلى الغلبة عليه لم يمنع ذلك وجود النساء والذرية فى بيته وعلى تقدير أن يكون المراد بالنفاق فى الحديث نفاق الكفر فلا يدل على عدم الوجوب لأنه يتضمن أن ترك الجماعة من صفات المنافقين وقد نهينا عن التشبه بهم وسياق الحديث يدل على الوجوب من جهة المبالغة فى ذم من تخلف عنها قال الطيبى خروج المؤمن من هذا الوعيد ليس من جهة أنهم إذا سمعوا النداء جاز لهم التخلف عن الجماعة بل من جهة أن التخلف ليس من شأنهم بل هو من صفات المنافقين ويدل عليه قول بن مسعود لقد رأيتنا وما يتخلف عن الجماعة إلا منافق رواه مسلم انتهى كلامه وروى بن أبى شيبة وسعيد بن منصور بإسناد صحيح عن أبى عمير بن أنس حدثنى عمومتى من الأنصار قالوا قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ما يشهدهما منافق يعنى العشاء والفجر ولا يقال فهذا يدل على ما ذهب إليه صاحب هذا الوجه لانتفاء أن يكون المؤمن قد يتخلف وإنما ورد الوعيد فى حق من تخلف لأنى أقول بل هذا يقوى ما ظهر لى أولا أن المراد بالنفاق نفاق المعصية لا نفاق الكفر فعلى هذا الذى خرج هو المؤمن الكامل لا العاصى الذى يجوز إطلاق النفاق عليه مجازا لما دل عليه مجموع الأحاديث.

ومنها وهو تاسعها ما ادعاه بعضهم أن فرضية الجماعة كانت فى أول الإسلام لأجل سد باب التخلف عن الصلاة على المنافقين ثم نسخ حكاه عياض ويمكن أن يتقوى بثبوت نسخ الوعيد المذكور فى حقهم وهو التحريق بالنار كما سيأتى واضحا فى كتاب الجهاد وكذا ثبوت نسخ ما يتضمنه التحريق من جواز العقوبة بالمال ويدل على النسخ الأحاديث الواردة فى تفضيل صلاة الجماعة على صلاة الفذ كما سيأتى بيانه فى الباب الذى بعد هذا لأن الأفضلية تقتضى الاشتراك

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www,idaraghufran.org

باجماعت نماز کی فضیلت سے متعلق احادیث وروایات

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةٌ مَعَ الْإِمَامِ أَفْضَلُ مِنْ خَمْسٍ وَعِشْرِينَ صَلَاةً يُصَلِّيهَا وَحْدَهُ (مسلم، رقم الحديث ١٠٣٧، باب فضل صلاة الجماعةوبيان التشديد فى التخلف عنها)

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

فى أصل الفضل ومن لازم ذلك الجواز .
ومنها وهو عاشرها أن المراد بالصلاة الجمعة لا باقى الصلوات ونصره القرطبى وتعقب بالأحاديث المصرحة بالعشاء وفيه بحث لأن الأحاديث اختلفت فى تعيين الصلاة التى وقع التهديد بسببها هل هى الجمعة أو العشاء والفجر معا فإن لم تكن أحاديث مختلفة ولم يكن بعضها أرجح من بعض وإلا وقف الاستدلال لأنه لا يتم إلا إن تعين كونها غير الجمعة أشار إليه بن دقيق العيد ثم قال فليتأمل الأحاديث الواردة فى ذلك انتهى وقد تأملتها فرأيت التعيين ورد فى حديث أبى هريرة وبن أم مكتوم وبن مسعود أما حديث أبى هريرة فحديث الباب من رواية الأعرج عنه يومى إلى أنها العشاء لقوله فى آخره لشهد العشاء وفى رواية مسلم يعنى العشاء ولهما من رواية أبى صالح عنه أيضا الإيماء إلى أنها العشاء والفجروعينها السراج فى رواية له من هذا الوجه العشاء حيث قال فى صدر الحديث أخر العشاء ليلة فخرج فوجد الناس قليلا فغضب فذكر الحديث وفى رواية بن حبان من هذا الوجه يعنى الصلاتين العشاء والغداة وفى رواية عجلان والمقبرى عند أحمد التصريح بتعيين العشاء ثم سائر الروايات عن أبى هريرة على الإبهام وقد أورده مسلم من طريق وكيع عن جعفر بن برقان عن يزيد بن الأصم عنه فلم يسق لفظه وساقه الترمذى وغيره من هذا الوجه بإبهام الصلاة وكذلك رواه السراج وغيره من طرق عن جعفر وخالفهم معمر عن جعفر فقال الجمعة أخرجه عبد الرزاق عنه والبيهقى من طريقه وأشار إلى ضعفها لشذوذها ويدل على وهمه فيها رواية أبى داود والطبرانى فى الأوسط من طريق يزيد بن يزيد بن جابر عن يزيد بن الأصم فذكر الحديث قال يزيد قلت ليزيد بن الأصم يا أبا عوف الجمعة عنى أو غيرها قال صمت أذناى إن لم أكن سمعت أبا هريرة يأثره عن رسول الله صلى الله عليه وسلم ما ذكر جمعة ولا غيرها فظهر أن الراجح فى حديث أبى هريرة أنها لا تختص بالجمعه وأما حديث بن أم مكتوم فسأذكره قريبا وأنه موافق لأبى هريرة وأما حديث بن مسعود فأخرجه مسلم وفيه الجزم بالجمعة وهو حديث مستقل لأن مخرجه مغاير لحديث أبى هريرة ولا يقدح أحدهما فى الآخر فيحمل على أنهما واقعتان كما أشار إليه النووى والمحب الطبرى وقد وافق بن أم مكتوم أبا هريرة على ذكر العشاء وذلك فيما أخرجه بن

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www,idaraghufran.org

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ امام کے ساتھ نماز پڑھنا، تنہا پڑھی جانے والی نماز سے پچیس درجہ زیادہ افضل ہے (مسلم)

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے کہ:

أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ صَلَاةُ الْجَمَاعَةِ أَفْضَلُ مِنْ صَلَاةِ أَحَدِكُمْ وَحْدَهُ بِخَمْسَةٍ وَعِشْرِينَ جُزْءًا (مسلم، رقم الحديث ۱۰۳۴، باب فضل صلاة الجماعةوبيان التشديد فى التخلف عنها)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جماعت کی نماز تمہارے کسی کے

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

خزيمة وأحمد والحاكم من طريق حصين بن عبد الرحمن عن عبد الله بن شداد عن بن أم مكتوم أن رسول الله صلى الله عليه وسلم استقبل الناس فى صلاة العشاء فقال لقد هممت أنى آتى هؤلاء الذين يتخلفون عن الصلاة فأحرق عليهم بيوتهم فقام بن أم مكتوم فقال يا رسول الله قد علمت ما بى وليس لى قائد زاد أحمد وأن بينى وبين المسجد شجرا ونخلا ولا أقدر على قائد كل ساعة قال أتسمع الإقامة قال نعم قال فاحضرها ولم يرخص له ولابن حبان من حديث جابر قال أتسمع الأذان قال نعم قال فأتها ولو حبوا وقد حمله العلماء على أنه كان لا يشق عليه التصرف بالمشى وحده ككثير من العميان واعتمد بن خزيمة وغيره حديث بن أم مكتوم هذا على فرضية الجماعة فى الصلوات كلها ورجحوه بحديث الباب وبالأحاديث الدالة على الرخصة فى التخلف عن الجماعة قالوا لأن الرخصة لا تكون إلا عن واجب وفيه نظر ووراء ذلك أمر آخر ألزم به بن دقيق العيد من يتمسك بالظاهر ولا يتقيد بالمعنى وهو أن الحديث ورد فى صلاة معينة فيدل على وجوب الجماعة فيها دون غيرها وأشار للانفصال عنه بالتمسك بدلالة العموم لكن نوزع فى كون القول بما ذكر أولا ظاهرية محضة صلى الله عليه وسلم فإن قاعدة حمل المطلق على المقيد تقتضيه ولا يستلزم ذلك ترك اتباع المعنى لأن غير العشاء والفجر مظنة الشغل بالتكسب وغيره أما العصران فظاهر وأما المغرب فلأنها فى الغالب وقت الرجوع إلى البيت والأكل ولا سيما للصائم مع ضيق وقتها بخلاف العشاء والفجر فليس للمتخلف عنهما عذر غير الكسل المذموم وفى المحافظة عليهما فى الجماعة أيضا انتظام الألفة بين المتجاورين فى طرفى النهار وليختموا النهار بالاجتماع على الطاعة ويفتتحوه كذلك وقد وقع فى رواية عجلان عن أبى هريرة عند أحمد تخصيص التهديد بمن حول المسجد وسيأتى توجيه كون العشاء والفجر أثقل على المنافقين من غيرهما وقد أطلت فى هذا الموضع لارتباط بعض الكلام ببعض واجتمع من الأجوبة لمن لم يقل بالوجوب عشرة أجوبة لا توجد مجموعة فى غير هذا الشرح (فتح البارى لابنِ حجر، ج۲ص ۱۲۶ الیٰ ۱۲۹، قوله باب وجوب صلاة الجماعة)

اکیلے نماز پڑھنے سے پچیس جزء (یعنی پچیس درجے) افضل ہے (مسلم)

اس حدیث کو امام احمد نے بھی اپنی مسند میں روایت کیا ہے۔ [1]

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّـهُ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: صَلاةُ الجَمَاعَةِ تَفْضُلُ صَلاَـةَ الـفَذِّ بِخَمْسٍ وَعِشْرِينَ دَرَجَةً (بخاری، رقم الحديث ٦٤٦، باب فضل الجماعة)

ترجمہ: انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جماعت کی نماز تنہا نماز سے پچیس درجہ زیادہ فضیلت رکھتی ہے (بخاری)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: صَلاةُ الْجَمَاعَةِ تَزِيدُ عَلَى صَلاةِ الْفَذِّ خَمْسًا وَعِشْرِينَ دَرَجَةً(نسائی رقم الحديث ٨٣٩، كتاب الامامة، باب فضل الجماعة)

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جماعت کی نماز تنہا نماز پر پچیس درجہ زیادہ فضیلت رکھتی ہے (نسائی)

حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "كَانَ يُفَضِّلُ صَلاةَ الْجَمِيعِ عَلَى صَلاةِ الرَّجُلِ وَحْدَهُ بِخَمْسٍ وَعِشْرِينَ صَلاةً، كُلُّهَا مِثْلُ صَلاتِهِ

(مسند الإمام أحمد، رقم الحديث ٤١٥٩) [2]

---

[1] عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " صَلاةُ الرَّجُلِ فِي جَمَاعَةٍ، تَزِيدُ عَلَى صَلاةِ الْفَذِّ خَمْسًا وَعِشْرِينَ دَرَجَةً (مسند احمد، رقم الحديث ١٠١٥٥)

قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح على شرط الشيخين (حاشية مسند احمد)

[2] قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح على شرط مسلم (حاشية مسند احمد)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تنہا نماز پڑھنے پر جماعت کے نماز پڑھنے کی فضیلت پچیس درجے زیادہ ہے، اور ہر درجہ اس کی نماز کے برابر ہوگا (مسند احمد)

یعنی جماعت کے ساتھ نماز کی فضیلت تنہا نماز پڑھنے کے مقابلہ میں پچیس درجہ زیادہ فضیلت رکھتی ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللَّهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :تَفْضُلُ صَلاۃُ الْجَمَاعَةِ عَلَی صَلاۃِ الْفَذِّ، أَوْ صَلاۃِ الرَّجُلِ وَحْدَهُ خَمْسًا وَعِشْرِینَ صَلاۃً (مسند البزار، رقم الحدیث ۶۴۸۳) [1]

---

[1] قال أبو حذیفة، نبیل بن منصور البصارة الکویتی:

أخرجه البزار (کشف 459) عن أبی قِلابة عبد الملک بن محمد الرَّقَاشی ثنا حجاج بن المنهال ثنا حماد به.وقال :لا نعلم رواہ عن عاصم عن أنس إلا حماد بن سلمة"

قلت :وإسنادہ حسن، أبو قلابة صدوق، والباقون ثقات.

ولم ینفرد حجاج بن المنهال به بل تابعه الملاحفی ثنا حماد بن سلمة ثنا عاصم الأحول عن أنس مرفوعاً" :صلاۃ الجمع تزید علی صلاۃ الرجل وحدہ ببضع وعشرین درجة"

أخرجه أبو الشیخ فی "الطبقات(424) "

والملاحفی هذا ما عرفته.

الثانی :یرویه عبد السلام بن شعیب بن الحَبْحَاب البصری عن أبیه عن أنس مرفوعاً : "صلاۃ الجماعة تفضل علی صلاۃ الفذ بخمس وعشرین"

أخرجه البزار (کشف 460) عن عبد السلام به.

وأخرجه الطبرانی فی "الأوسط2199) ") من طریق وهب بن یحیی بن زمام العلاف ثنا عبد السلام به.وقال :لم یَرو هذا الحدیث عن شعیب إلا ابنه عبد السلام"

قلت :ذکرہ ابن حبان فی "الثقات"، وقال الحافظ فی "التقریب :"صدوق، وأبوہ وثقه أحمد وغیرہ.

الثالث :یرویه أبان بن أبی عیاش عن أنس مرفوعاً " :فضل صلاۃ الرجل فی جماعة علی صلاته وحدہ أربعة وعشرین جزء اً"

أخرجه الحارث 158)) عن داود بن المُحَبَّر الطائی ثنا محمد بن سعید عن أبان به.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www,idaraghufran.org

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جماعت کے ساتھ نماز کی فضیلت، تنہا نماز پڑھنے پر، یا آدمی کی تنہا نماز پڑھنے پر، پچیس نمازوں کے برابر فضیلت رکھتی ہے (بزار)

مذکورہ احادیث میں باجماعت نماز کی فضیلت پچیس درجہ بتلائی گئی ہے۔

جبکہ بعض روایات میں پچیس کے بجائے ستائیس درجہ فضیلت کا ذکر ہے۔

چنانچہ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: صَلَاةُ الْجَمَاعَةِ تَفْضُلُ صَلَاةَ الْفَذِّ بِسَبْعٍ وَعِشْرِينَ دَرَجَةً (بخاری، رقم الحديث ٦٠٩، باب فضل الجماعة؛ مسلم، رقم الحديث ١٠٣٨، باب فضل صلاة الجماعةوبيان التشديد فى التخلف عنها)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جماعت کی نماز تنہا نماز پر ستائیس درجہ زیادہ فضیلت رکھتی ہے (بخاری، مسلم)

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وداود كذبه أحمد وصالح جزرة، وقال ابن حبان :كان يضع الحديث على الثقات، وقال أبو حاتم :ذاهب الحديث غير ثقة.

وأبان قال النسائي وغيره :متروك الحديث.

وحديث معاذ أخرجه البزار 2667)) والطبراني في "الكبير 139 /20) ") من طريق عبد الحكيم بن منصور الواسطي عن عبد الملك بن عمير عن عبد الرحمن بن أبي ليلى عن معاذ مرفوعاً" :تفضل صلاة الجميع على صلاة الرجل وحده خمسة وعشرين صلاة"

قال البزار :وعبد الرحمن بن أبي ليلى لم يسمع من معاذ، وقد أدرک عمر"

وقال الهيثمي :وفيه عبد الحكيم بن منصور وهو ضعيف "المجمع 39 /2

قلت :كذبه ابن معين، وقال النسائي :متروک الحديث(أَنِيسُ السَّارِی فی تخريج وَتحقيق الأحاديث التي ذكرها الحافظ ابن حَجر العسقلاني في فَتح البَارِی، ج١٠، ص٧٠٣، أبواب صلاة الجماعة والإمامة، باب فضل صلاة الجماعة)

www,idaraghufran.org

اس حدیث کو ابنِ ماجہ نے بھی اپنی سنن میں روایت کیا ہے۔ [1]

امام ترمذی رحمہ اللہ، ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ:

قَالَ وَفِي الْبَاب عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ مَسْعُودٍ وَأُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ وَمُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ وَأَبِي سَعِيدٍ وَأَبِي هُرَيْرَةَ وَأَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ أَبُو عِيسَى حَدِيثُ ابْنِ عُمَرَ حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ وَهَكَذَا رَوَى نَافِعٌ عَنْ ابْنِ عُمَرَ عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ قَالَ تَفْضُلُ صَلَاةُ الْجَمِيعِ عَلَى صَلَاةِ الرَّجُلِ وَحْدَهُ بِسَبْعٍ وَعِشْرِينَ دَرَجَةً قَالَ أَبُو عِيسَى وَعَامَّةُ مَنْ رَوَى عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّمَا قَالُوا خَمْسٍ وَعِشْرِينَ إِلَّا ابْنَ عُمَرَ فَإِنَّهُ قَالَ بِسَبْعٍ وَعِشْرِينَ (ترمذی، تحت رقم الحديث ١٩٩، باب ماجاء فی فضل الجماعة)

ترجمہ: اس سلسلہ میں عبداللہ بن مسعود اور ابی بن کعب اور معاذ بن جبل اور ابی سعید اور ابوہریرہ اور انس بن مالک سے احادیث مروی ہیں، امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابنِ عمر کی حدیث حسن صحیح ہے، اور اسی طرح حضرت نافع نے، حضرت ابنِ عمر سے اور انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ جماعت کی نماز آدمی کی تنہا نماز سے ستائیس درجہ زیادہ فضیلت رکھتی ہے۔

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ عام طور پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پچیس درجہ فضیلت مروی ہے، مگر حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ستائیس درجہ کی فضیلت کا ذکر ہے (ترمذی)

---

[1] حدثنا عبد الرحمن بن عمر رسته، حدثنا يحيى بن سعيد، حدثنا عبيد الله بن عمر، عن نافع عن ابن عمر، قال: قال رسول الله – صلى الله عليه وسلم –: "صلاة الرجل في جماعة تفضل على صلاة الرجل وحده بسبع وعشرين درجة (سنن ابن ماجه، رقم الحديث ٧٨٩)

قال شعيب الارنؤوط: إسناده صحيح (حاشية سنن ابن ماجه)

www,idaraghufran.org

بعض احادیث میں جو جماعت کی نماز کی فضیلت تنہا نماز پڑھنے کے مقابلہ میں پچیس درجہ زیادہ اور بعض میں ستائیس درجہ زیادہ بتلائی گئی۔

اس سلسلہ میں بعض حضرات نے فرمایا کہ ابتداء میں تو باجماعت نماز کا ثواب پچیس درجہ ہی زیادہ تھا، مگر بعد میں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے یہ ثواب پچیس سے بڑھا کر ستائیس درجہ زیادہ فرمادیا۔

اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اصل ثواب ستائیس درجہ ہی ہے، اور پچیس درجہ والی روایات میں ستائیس درجہ کے ثواب کی نفی مقصود نہیں۔

اور بعض حضرات نے فرمایا کہ پچیس اور ستائیس درجہ کا ثواب مختلف نمازیوں اور حالات کے اعتبار سے ہے، چنانچہ جو لوگ زیادہ خشوع وخضوع کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں، ان کو ستائیس درجہ فضیلت عطا کی جاتی ہے، اور جن کے خشوع وخضوع میں کچھ کمی ہوتی ہے، ان کو پچیس درجہ فضیلت عطا کی جاتی ہے۔

اسی طرح بڑی جماعت یا نیک لوگوں کے ساتھ اور فضیلت والے مقام پر پڑھی جانے والی نماز کا ثواب ستائیس درجہ فضیلت رکھتا ہے، اور چھوٹی جماعت یا عام لوگوں کے ساتھ یا پہلے سے کم فضیلت والے مقام پر نماز باجماعت پڑھی جانے والی نماز کا ثواب پچیس درجہ فضیلت رکھتا ہے۔

اسی طرح اگر کوئی دور سے چل کر، یا مشقت کر کے جماعت کی نماز میں شرکت کرے، تو اس کی فضیلت دوسرے کے مقابلہ میں زیادہ ہے۔

اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ستائیس درجہ نماز کی فضیلت مسجد میں باجماعت پڑھنے سے حاصل ہوتی ہے، اور پچیس درجہ کی فضیلت مسجد کے علاوہ میں حاصل ہوتی ہے۔ [1]

---

[1] فی روایة إن صلاة الجماعة تفضل صلاة المنفرد بخمسة وعشرين جزئا وفی رواية بخمس وعشرين درجة وفی رواية بسبع وعشرين درجة والجمع بينها من ثلاثة أوجه أحدها أنه لا منافاة بينها فذكر القليل لا ينفی الكثير ومفهوم العدد باطل عند جمهور الأصوليين والثانی أن يكون أخبر أولا بالقليل ثم أعلمه الله تعالى بزيادة الفضل فأخبر بها الثالث أنه يختلف باختلاف أحوال المصلين

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www,idaraghufran.org

مسجد یا غیر مسجد میں جماعت کا درجہ

بعض محدثین نے فرمایا کہ مذکورہ احادیث میں جو باجماعت نماز پڑھنے پر، پچیس نمازوں کے برابر فضیلت بیان کی گئی ہے، وہ فضیلت صرف باجماعت نماز پڑھنے سے حاصل ہوجاتی ہے، کیونکہ مذکورہ احادیث میں یہ فضیلت جماعت کی صفت کے ساتھ بیان کی گئی ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

والصلاة فيكون لبعضهم خمس وعشرون ولبعضهم سبع وعشرون بحسب كمال الصلاة ومحافظته على هيآتها وخشوعها وكثرة جماعتها وفضلهم وشرف البقعة ونحو ذلك فهذه هي الأجوبة المعتمدة وقد قيل إن الدرجة غير الجزء وهذا غفلة من قائله فإن في الصحيحين سبعا وعشرين درجة وخمسا وعشرين درجة فاختلف القدر مع اتحاد لفظ الدرجة والله أعلم (شرح النووي على مسلم، ج۵ص ۱۵۱، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب فضل صلاة الجماعةوبيان التشديد في التخلف عنها)

.قال التوربشتي :ذكر هاهنا سبعا وعشرين درجة، وفي حديث أبي هريرة :خمسا وعشرين، ووجه التوفيق أن نقول :عرفنا من تفاوت الفضل أن الزائد متأخر عن الناقص ;لأن الله تعالى يزيد عباده من فضله، ولا ينقصهم من الموعد شيئا، فإنه صلى الله عليه وسلم بشر المؤمنين أولا بمقدار من فضله، ثم رأى أن الله تعالى يمن عليه وعلى أمته، فبشرهم به وحثهم على الجماعة، وأما وجه قصر الفضيلة على خمس وعشرين تارة وعلى سبع وعشرين أخرى، فمرجعه إلى العلوم النبوية التي لا يدركها العقلاء إجمالا، فضلا عن التفصيل، ولعل الفائدة فيما كشف به حضرة النبوة هي اجتماع المسلمين على إظهار شعار الإسلام، وذكر النووي ثلاثة أوجه، الأول :أن ذكر القليل لا ينفي الكثير ومفهوم اللقب باطل، والثاني :ما ذكره التوربشتي، والثالث :أنه يختلف باختلاف حال المصلي والصلاة، فلبعضهم خمس وعشرون، ولبعضهم سبع وعشرون، بحسب كمال الصلاة والمحافظة على قيامها، والخشوع فيها، وشرف البقعة، والإمام اهـ.

والظاهر أن هذه الفضيلة بمجرد الجماعة مع قطع النظر عما ذكر، فإن بعض البقع يزيد أضعافا كثيرة، والدرجات بين المصلين والصلوات متباينة بعيدة، فالمعتمد ما ذكره التوربشتي، والله أعلم(مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، ج۳،ص ۸۳۱،باب الجماعة وفضلها)

اختلفوا في وجه الجمع بين سبع وعشرين درجة وبين خمس وعشرين .فقيل :السبع متأخرة عن الخمس فكأن أخبره بخمس ثم زاده، ورد هذا بتعذر التاريخ، ورد هذا الرد بأن الفضائل لا تنسخ، فتعين أنه متأخر .وقيل :إن صلاة الجماعة في المسجد أفضل من صلاة الفذ في المسجد بسبع وعشرين درجة، ورد هذا بقوله :(وصلاة الرجل في جماعة تضعف على صلاته في بيته وفي سوقه بخمس وعشرين ضعفا) . وقيل :إن الصلاة التي لم تكن فيها فضيلة الخطى إلى الصلاة، ولا فضيلة

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

جبکہ مسجد میں باجماعت نماز پڑھنے اور مسجد کی طرف چلنے وغیرہ کی فضیلت اس سے اضافی ہے۔ [1]

لیکن بعض دوسرے محدثین نے فرمایا کہ مذکورہ احادیث میں جو پچیس یا ستائیس درجہ کی فضیلت بیان کی گئی ہے، وہ مسجد میں باجماعت نماز پڑھنے سے حاصل ہوتی ہے، وہ الگ بات ہے کہ مسجد کے علاوہ دوسری جگہ باجماعت نماز پڑھنا بھی تنہا نماز پڑھنے کے مقابلہ میں فضیلت کا باعث ہے، لیکن اس کی فضیلت مسجد میں باجماعت نماز پڑھنے کی مذکورہ فضیلت سے کم ہے۔

ان حضرات کا استدلال درجِ ذیل حدیث سے ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

انتظارها تفضل بخمس، والتى فيها ذلک تفضل بخمس، والتى فيها ذلک تفضل بسبع .وقيل :إن ذلک يختلف باختلاف المصلين والصلاة، فمن أكملها وحافظ عليها فوق من أخل بشىء من ذلک، وقيل :إن الزيادة لصلاتى العشاء والصبح لاجتماع ملائكة الليل والنهار فيهما، ويؤيده حديث أبى هريرة :(تفضل صلاة أحدكم وحده بخمس وعشرين جزء ا، وتجتمع ملائكة الليل والنهار فى صلاة الفجر) . فذكر اجتماع الملائكة بواو فاصلة، واستأنف الكلام وقطعه من الجملة المتقدمة، وقيل :لا منافاة بين الحدثين لأن ذكر القليل لا ينافى الكثير، ومفهوم العدد باطل عند جماعة من الأصوليين .وقال ابن الأثير :إنما قال :درجة، ولم يقل :جزء ا ولا نصيبا ولا حافظا ولا شيئا من أمثال ذلک، لأنه أراد الثواب من جهة العلو والارتفاع، وأن تلک فوق هذه بكذا وكذا درجة، لأن الدرجات إلى جهة فوق قلت :قد جاء فيه لفظ :الجزء والضعف، وقد تقدما عن قريب، فكأنه لم يطلع عليهما .وقيل :إن الدرجة أصغر من الجزء ، فكأن الخمسة والعشرين إذا جزئت درجات كانت سبعا وعشرين درجة قلت :هذا ليس بصحيح لأنه جاء فى الصحيحين :سبعا وعشرين درجة وخمسا وعشرين درجة فاختلف القدر مع اتحاد لفظ الدرجة .وقد قيل :يحتمل أن تكون الدرجة فى الآخرة والجزء فى الدنيا (عمدة القارى شرح صحيح البخارى، ج۴،ص ۲۶۰، كتاب الصلاة،باب الصلاة فى مسجد السوق)

[1] ثم العلماء اختلفوا :هل هذا الفضل لأجل الجماعة فقط حيث كانت؟ أو أن ذلک إنما يكون ذلک فى الجماعة التى تكون فى المسجد لما يلزم ذلک من أفعال تختص بالمساجد؟ قال القرطبى :والظاهر الأول، لأن الجماعة هو الوصف الذى علق عليه الحكم(عمدة القارى شرح صحيح البخارى، ج۴،ص ۲۶۰، كتاب الصلاة،باب الصلاة فى مسجد السوق)

www,idaraghufran.org

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةُ الرَّجُلِ فِي جَمَاعَةٍ تَزِيدُ عَلَى صَلَاتِهِ فِي بَيْتِهِ وَصَلَاتِهِ فِي سُوقِهِ بِضْعًا وَعِشْرِينَ دَرَجَةً وَذَلِكَ أَنَّ أَحَدَهُمْ إِذَا تَوَضَّأَ فَأَحْسَنَ الْوُضُوءَ ثُمَّ أَتَى الْمَسْجِدَ لَا يَنْهَزُهُ إِلَّا الصَّلَاةُ لَا يُرِيدُ إِلَّا الصَّلَاةَ فَلَمْ يَخْطُ خَطْوَةً إِلَّا رُفِعَ لَهُ بِهَا دَرَجَةٌ وَحُطَّ عَنْهُ بِهَا خَطِيئَةٌ حَتَّى يَدْخُلَ الْمَسْجِدَ فَإِذَا دَخَلَ الْمَسْجِدَ كَانَ فِي الصَّلَاةِ مَا كَانَتْ الصَّلَاةُ هِيَ تَحْبِسُهُ وَالْمَلَائِكَةُ يُصَلُّونَ عَلَى أَحَدِكُمْ مَا دَامَ فِي مَجْلِسِهِ الَّذِي صَلَّى فِيهِ يَقُولُونَ اللَّهُمَّ ارْحَمْهُ اللَّهُمَّ اغْفِرْ لَهُ اللَّهُمَّ تُبْ عَلَيْهِ مَا لَمْ يُؤْذِ فِيهِ مَا لَمْ يُحْدِثْ فِيهِ(مسلم رقم الحديث ١٠٥٩ ، باب فضل صلاة الجماعة وانتظار الصلاة)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی کا باجماعت نماز پڑھنا، اس کے گھر میں نماز پڑھنے اور اس کے بازار میں نماز پڑھنے سے بیس اور کچھ درجہ زیادہ ہے، اور واقعہ یہ ہے کہ لوگوں میں سے جب کوئی وضو کرتا ہے اور عمدہ طریقہ سے وضو کرتا ہے (کوئی کہنی، انگلیوں کے درمیان وغیرہ کی جگہ خشک نہیں رہتی) پھر وہ مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے آتا ہے اس کو نماز کے علاوہ کوئی اور چیز مسجد میں آنے پر نہیں اُبھارتی اور صرف نماز ہی کے ارادہ سے آتا ہے (کوئی دنیوی یا فاسد غرض نہیں ہوتی) تو وہ جو قدم بھی اُٹھاتا ہے، اس پر اس کا ایک درجہ بڑھا دیا جاتا ہے اور ایک خطا معاف کر دی جاتی ہے، یہاں تک کہ وہ مسجد میں داخل ہو جائے، پھر جب وہ مسجد میں داخل ہو جاتا ہے، تو جب تک وہ نماز کے لئے رُکا رہتا ہے، تو وہ نماز ہی میں ہوتا ہے (یعنی اسے نماز کا انتظار کرنے میں نماز پڑھنے کا ثواب ملتا ہے) اور تم میں سے جب تک کوئی شخص اپنی اس مجلس میں رہتا ہے، جس میں اُس نے نماز پڑھی ہے، تو فرشتے اُس کے لئے رحمت کی دعاء

کرتے رہتے ہیں، اور وہ یہ دعاء کرتے ہیں کہ اے اللہ اس کی مغفرت فرما دیجئے، اے اللہ اس کی توبہ قبول فرما لیجئے، یہ سلسلہ اس وقت تک جاری رہتا ہے، جب تک وہ کسی کو تکلیف نہ پہنچائے اور وضو نہ توڑے (مسلم)

ان حضرات کا فرمانا یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث میں پچیس درجہ نماز کی فضیلت کی وجہ اچھی طرح وضو کر کے مسجد جانا، اور صرف نماز کی غرض سے جانا، اور مسجد میں نماز کا انتظار کرنا وغیرہ بیان کی گئی ہے۔

جس سے معلوم ہوا کہ مذکورہ فضیلت مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کے ساتھ خاص ہے۔ [1]

---

[1] قوله خمسة وعشرين ضعفا كذا فى الروايات التى وقفنا عليها وحكى الكرمانى وغيره أن فيه خمسا وعشرين درجة بتأويل الضعف بالدرجة أو الصلاة قوله فى بيته وفى سوقه مقتضاه أن الصلاة فى المسجد جماعة تزيد على الصلاة فى البيت وفى السوق جماعة وفرادى قاله بن دقيق العيد قال والذى يظهر أن المراد بمقابل الجماعة فى المسجد الصلاة فى غيره منفردا لكنه خرج مخرج الغالب فى أن من لم يحضر الجماعة فى المسجد صلى منفردا قال وبهذا يرتفع الإشكال عمن استشكل تسوية الصلاة فى البيت والسوق انتهى ولا يلزم من حمل الحديث على ظاهره التسوية المذكورة إذ لا يلزم من استوائهما فى المفضولية عن المسجد أن لا يكون أحدهما أفضل من الآخر وكذا لا يلزم منه أن كون الصلاة جماعة فى البيت أو السوق لا فضل فيها على الصلاة منفردا بل الظاهر أن التضعيف المذكور مختص بالجماعة فى المسجد والصلاة فى البيت مطلقا أولى منها فى السوق لما ورد من كون الأسواق موضع الشياطين والصلاة جماعة فى البيت وفى السوق أولى من الانفراد(فتح البارى شرح صحيح البخارى،لابن حجر العسقلانى، ج۲،ص ۱۳۵،قوله باب فضل صلاة الجماعة)

والحديث :نص فى أن الصلاة فى المسجد تزيد على صلاة المرء فى بيته وفى سوقه خمسا وعشرين درجة، وهو أعم من أن تكون صلاته فى بيته وفى سوقه فى جماعة أو منفردا.

ويدل على ذلک :أنه ذكر سبب المضاعفة، وهو فضل مشيه إلى المسجد على طهارة،وفضل انتظاره للصلاة حتى تقام، وفضل قعوده فى المسجد حتى يحدث، وهذا كله لا يوجد شيء منه فى صلاته فى بيته وفى سوقه.

لكن المراد -والله أعلم :-صلاته فى سوقه فى غير مسجد، فإنه لو صلى فى سوقه فى مسجد لكان قد حصل له فضل المشى إلى المسجد، وانتظار الصلاة فيه، والجلوس فيه بعد الصلاة -أيضا -، وإن كان المسجد الأعظم يمتاز بكثرة الخطا إليه، وبكثرة الجماعة فيه، وذلک يتضاعف به الفضل -أيضا -عند جمهور العلماء ، خلافا لمالک(فتح البارى شرح صحيح البخارى،لابن رجب، ج۳،ص ۴۱۸،باب الصلاة فى مسجد السوق)

www,idaraghufran.org

لیکن دیگر حضرات نے فرمایا کہ اچھی طرح وضو کر کے نماز کے لیے جانے کا ثواب پچیس درجہ باجماعت نماز پڑھنے کی فضیلت سے اضافی ہے، جو کہ ہر قدم پر ایک درجہ بلند ہونے اور ایک خطاء معاف ہونے کی صورت میں ذکر کیا گیا ہے۔

اور دراصل یہ ایک مستقل فضیلت ہے، جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مستقلاً بھی مروی ہے، شاید انہوں نے ایک دوسری حدیث کے ساتھ باجماعت نماز پڑھنے کے لیے جانے بالخصوص مسجد میں باجماعت نماز پڑھنے کے لیے جانے کی فضیلت کی اہمیت کے لیے اس کو ذکر کر دیا ہو۔

چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَنْ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ " :إِذَا تَوَضَّأَ الرَّجُلُ فَأَحْسَنَ الْوُضُوءَ ثُمَّ خَرَجَ إِلَى الصَّلَاةِ لَا يُخْرِجُهُ -أَوْ قَالَ :لَا يَنْهَزُهُ -إِلَّا إِيَّاهَا، لَمْ يَخْطُ خُطْوَةً إِلَّا رَفَعَهُ اللَّهُ بِهَا دَرَجَةً، أَوْ حَطَّ عَنْهُ بِهَا خَطِيئَةً (سنن الترمذی، رقم الحدیث ۲۰۳) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب بندہ اچھی وضو کر کے نماز کے لیے چلتا ہے، اس کو نماز کے لیے کوئی چیز خارج نہیں کرتی، یا نہیں اٹھاتی، تو وہ جو قدم بھی اٹھاتا ہے، اس سے اس کا ایک درجہ بلند کیا جاتا ہے، یا ایک خطا معاف کی جاتی ہے (ترمذی)

مذکورہ حدیث میں مسجد کی قید کے بغیر مذکورہ فضیلت بیان کی گئی ہے۔

اسی طرح مسجد میں نماز کے انتظار کی فضیلت کا بھی معاملہ ہے کہ اگر کوئی باہر سے چل کر نہ آئے، بلکہ پہلے سے مسجد میں موجود ہو کر نماز کا انتظار کرے، اس کو بھی مذکورہ فضیلت حاصل ہو جاتی ہے۔

---

[1] قال الترمذی: هَذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ.

چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَزَالُ الْعَبْدُ فِيْ صَلَاةٍ مَا كَانَ فِيْ مُصَلَّاهُ يَنْتَظِرُ الصَّلَاةَ وَتَقُوْلُ الْمَلَائِكَةُ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهُ اَللّٰهُمَّ ارْحَمْهُ حَتّٰى يَنْصَرِفَ أَوْ يُحْدِثَ قُلْتُ مَا يُحْدِثُ قَالَ يَفْسُوْ أَوْ يَضْرِطُ (مسلم، رقم الحديث ۶۴۹ "۲۷۴" كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب فضل صلاة الجماعة وانتظار الصلاة، واللفظ لهٗ، سنن ابی داؤد، رقم الحديث ۳۹۸)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بندہ برابر نماز میں رہتا ہے، جب تک کہ وہ اپنی نماز کی جگہ بیٹھ کر نماز کا انتظار کرتا رہے، اور فرشتے یہ کہتے ہیں کہ اے اللہ! اس کی مغفرت فرما، اور اے اللہ اس پر رحم فرما، یہاں تک کہ وہ لوٹ کر نہ چلا جائے، یا وضو نہ توڑ دے (راوی کہتے ہیں کہ) میں نے عرض کیا کہ وضو کس طرح توڑے گا، تو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بغیر آواز کے ریح خارج کر دے، یا آواز کے ساتھ ریح خارج کر دے (مسلم)

اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا يَزَالُ الْعَبْدُ فِيْ صَلَاةٍ مَا كَانَ فِيْ مُصَلَّاهُ يَنْتَظِرُ الصَّلَاةَ، تَقُوْلُ الْمَلَائِكَةُ: اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهُ، اَللّٰهُمَّ ارْحَمْهُ حَتّٰى يَنْصَرِفَ أَوْ يُحْدِثَ " فَقُلْتُ: مَا يُحْدِثُ؟ فَقَالَ: كَذَا قُلْتُ لِأَبِيْ سَعِيْدٍ فَقَالَ " يَفْسُوْ أَوْ يَضْرِطُ (مسند احمد، رقم الحديث ۱۱۹۰۷)[1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بندہ نماز میں ہوتا ہے، جب تک کہ وہ اپنی نماز کی جگہ بیٹھ کر نماز کا انتظار کرتا رہتا ہے، فرشتے یہ دعا کرتے ہیں کہ

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: صحيح لغيره (حاشية مسند احمد)

www,idaraghufran.org

اے اللہ اس کی مغفرت فرما، اے اللہ اس پر رحم فرما، یہ (نماز کے ثواب اور فرشتوں کی دعا کا) سلسلہ اس وقت تک جاری رہتا ہے، جب تک کہ وہ لوٹ کر نہ چلا جائے، یا وضو نہ توڑ دے، میں نے عرض کیا کہ وضو کس طرح توڑے گا؟ تو راوی نے کہا کہ میں نے بھی ابوسعید سے یہی سوال کیا، تو انہوں نے جواب میں فرمایا کہ بغیر آواز یا آواز کے ساتھ ریح خارج کردے (مسند احمد)

لہٰذا بظاہر یہی راجح معلوم ہوتا ہے کہ نماز باجماعت پڑھنے، خصوصاً مسجد میں باجماعت نماز پڑھنے اور نماز کی طرف جانے اور نماز کا انتظار کرنے، ان سب اعمال کی الگ الگ فضیلت ہے، اور مسجد کی طرف نماز کے لیے جانے، وہاں نماز کا انتظار کرنے اور مسجد میں نماز پڑھنے کی فضیلت دوسری جگہوں کے مقابلہ میں زیادہ ہے۔

لیکن اس کی وجہ سے مسجد کے علاوہ کسی اور مقام پر باجماعت نماز پڑھنے کی صورت میں پچیس درجہ کی فضیلت حاصل ہونے کے مسئلہ پر فرق نہیں پڑنا چاہئے، اور اس فضیلت کا مدار مذکورہ امور پر نہیں ہونا چاہئے، اسی وجہ سے اکثر احادیث میں مسجد کی قید کے بغیر تنہا نماز پڑھنے کے مقابلہ میں نفسِ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے پر مذکورہ فضیلت کا ذکر کیا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔ [1]

---

[1] قوله :(خمسا وعشرين) وجمع الحافظ رحمه الله تعالى بين خمس وعشرين وسبع وعشرين بحمل الأول على السرية، والثانى على الجهرية، ثم دار البحث فى أن الفضل المذكور بين المنفرد وبين المصلى بالجماعة، وبين المسجد والبيت، فأقام الشيخ تقى الدين ههنا بحثا أصوليا وقال :إن قوله فإن أحدكم ... إلخ علة منصوصة فلا يجوز إلغاؤها، وحينئذ يختص تضعيف الأجر بمن أتاها من البعد فلا يحصل التضعيف لمن صلى فى بيته بالجماعة.

قلت :وهذه الأشياء وإن كانت دخيلة فى التضعيف لكنها ليست مناطا له، فإن الحديث إنما ورد على عرفهم فإنهم إذا طعموا فى إدراك الجماعة لم يكونوا يصلونها فى البيوت، وكانوا يذهبون إلى المساجد فإن فاتتهم الجماعة صلوها فى البيوت فجماعتهم لم تكن إلا فى المسجد، ولم تكن فى البيت إلا الصلاة منفردا، وقد تغير العرف فى زماننا فجعل بعض المترفهين يجمعون فى بيوتهم وليس الحديث على هذا العرف.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قال رسولُ الله – صلى الله عليه وسلم –: " الصلاةُ فى جماعةٍ تَعدِلُ خمساً وعشرين صلاةً، فإذا صلاّها فى فَلاةٍ، فأتمَّ رُكوعَها وسُجودها بَلَغَت خمسينَ صلاةً (سنن ابی داود، رقم الحديث ٥٦٠)

قال شعيب الارنؤوط: إسناده قوى (حاشية سنن ابى داود)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا، پچیس نمازوں کے برابر ثواب رکھتا ہے، پھر جب کوئی جنگل میں نماز پڑھے، اور نماز کے رکوع اور سجدوں کو مکمل کرے، تو وہ نماز، پچاس نمازوں کے برابر ثواب رکھتی ہے (ابوداود)

اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے بعض حضرات نے فرمایا کہ جنگل میں پچاس (50) نمازوں کے برابر، جس نماز کی فضیلت بیان کی گئی ہے، وہ اس صورت کے ساتھ خاص ہے، جبکہ جنگل میں جماعت کے ساتھ رکوع اور سجدہ مکمل کرتے ہوئے، نماز پڑھی جائے، اور جب جنگل کے علاوہ عام جگہوں میں جماعت کے ساتھ، رکوع وسجدہ مکمل کرکے نماز پڑھی جائے، تو اس کا ثواب پچیس (25) نمازوں کے برابر ہے۔

کیونکہ جنگل میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا، بنسبت دوسری جگہوں کے زیادہ مشقت والا کام ہے، اس لیے اس میں اس کی فضیلت زیادہ رکھی گئی ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وبالجملة ينبغى للمجتهد أن يدير التضعيف وعدمه على الاجتماع والانفراد دون المسجد، والبيت، وكذلك ورد فى الحديث وضوء هم على عادتهم فى الإتيان إلى المساجد، لكونه مناطا حتى إذا لم يأت من مكانه متوضئا أو أتى من مكان قريب أو صلى فى بيته بالجماعة أدرك هذا الأجر فليخرج المناط وليحترز عن المشى على القواعد فقط.

ثم الحديث إنما سيق لبيان الفرق بين حال الانفراد والاجتماع، أما إذا كانت الجماعة قليلة والأخرى كثيرة، فإن الثانية للفضل على الأولى بعدد من فيها (فيض البارى، ج٢، ص ٩٨، كتاب الصلاة، باب الصلاة فى مسجد السوق)

www,idaraghufran.org

اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس فضیلت کا تعلق اس فتنہ کے زمانے سے ہے، جس کے بارے میں احادیث میں فرمایا گیا کہ آدمی اپنا دین بچانے کے لیے بکری کو لے کر جنگل یا پہاڑ میں پناہ لے گا، ظاہر ہے کہ ایسے زمانے میں اگر وہاں جنگل میں بھی کسی کو ساتھ ملا کر جماعت کرتا ہے، تو اس جماعت کی فضیلت زیادہ ہوگی، اور وہ فضیلت پچاس درجہ بڑھی ہوئی ہے۔

بہر حال جو کچھ بھی کہا جائے، مطلب یہ ہے کہ جنگل اور سفر میں بھی نماز کو نہ چھوڑنا اور اوپر سے جماعت کا اہتمام کرنا عظیم الشان فضیلت رکھتا ہے۔

لیکن اس سلسلے میں بے جا غلو کرنا بھی درست نہیں، جس سے اپنے آپ کو یا دوسروں کو بے جا تکلیف پہنچے۔ [1]

---

[1] قوله بخمس وعشرين في رواية الأصيلي خمسا وعشرين زاد بن حبان وأبو داود من وجه آخر عن أبي سعيد فإن صلاها في فلاة فأتم ركوعها وسجودها بلغت خمسين صلاة وكأن السر في ذلك أن الجماعة لا تتأكد في حق المسافر لوجود المشقة بل حكى النووي أنه لا يجري فيه الخلاف في وجوبها لكن فيه نظر فإنه خلاف نص الشافعي وحكى أبو داود عن عبد الواحد قال في هذا الحديث أن صلاة الرجل في الفلاة تضاعف على صلاته في الجماعة انتهى وكأنه أخذه من إطلاق قوله فإن صلاها لتناوله الجماعة والانفراد لكن حمله على الجماعة أولى وهو الذي يظهر من السياق ويلزم على ما قال النووي أن ثواب المندوب يزيد على ثواب الواجب عند من يقول بوجوب الجماعة وقد استشكله القرافي على أصل الحديث بناء على القول بأنها سنة ثم أورد عليه أن الثواب المذكور مرتب على صلاة الفرد وصفته من صلاة الجماعة فلا يلزم منه زيادة ثواب المندوب على الواجب وأجاب بأنه تفرض المسألة فيمن صلى وحده ثم أعاد في جماعة فإن ثواب الفرض يحصل له بصلاته وحده والتضعيف يحصل بصلاته في الجماعة فبقي الإشكال على حاله وفيه نظر لأن التضعيف لم يحصل بسبب الإعادة وإنما حصل بسبب الجماعة إذ لو أعاد منفردا لم يحصل له إلا صلاة واحدة فلا يلزم منه زيادة ثواب المندوب على الواجب(فتح الباري شرح صحيح البخاري، ج۲، ص۱۳۴، قوله باب فضل صلاة الجماعة)

(فإذا صلاها في فلاة فأتم ركوعها وسجودها بلغت خمسين صلاة) . أي :بلغت صلاته خمسين صلاة .والمعنى :يحصل له أجر خمسين صلاة، وذلك يحصل له في الصلاة مع الجماعة، لأن الجماعة لا تتأكد في حق المسافر لوجود المشقة، فإذا صلاها منفردا لا يحصل له هذا التضعيف، وإنما يحصل له إذا صلاها مع الجماعة خمسة وعشرون لأجل أنه صلاها مع الجماعة، وخمسة وعشرون أخرى للتي هي ضعف تلك لأجل أنه أتم ركوع صلاته وسجودها، وهو في السفر الذي هو مظنة التخفيف، فمن أمعن نظره فيه علم أن الإشكال الذي أورده بعضهم فيه من لزوم زيادة ثواب

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www,idaraghufran.org

جماعت کی فضیلت کتنے افراد سے حاصل ہوجاتی ہے؟

نماز کو نفسِ جماعت کے ساتھ پڑھنے کی فضیلت اس صورت میں بھی حاصل ہوجاتی ہے، جبکہ دو افراد جماعت کے ساتھ نماز پڑھیں، خواہ مسجد میں پڑھیں، یا غیرِ مسجد میں، اگرچہ مسجد کی فضیلت اور زیادہ افراد کے ساتھ نماز پڑھنے کی فضیلت، غیر مسجد میں اور تھوڑے افراد کے ساتھ باجماعت نماز پڑھنے کی فضیلت سے زیادہ ہے۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

المندوب على الواجب غير وارد(عمدة القارى شرح صحيح البخارى،ج۵،ص ۱۶۶،قوله باب فضل صلاة الجماعة)

(الصلاة فى جماعة تعدل خمسا وعشرين صلاة فإذا صلاها فى فلاة فأتم ركوعها وسجودها بلغت خمسين صلاة) أى بلغ ثوابها ثواب خمسين صلاة صلاها بدون ذلك وظاهره أن الصلاة مع الانفراد فى الفلاة مع الإتيان بكمالاتها يضاعف ثوابها على ثواب الصلاة الجماعة ضعفين وكأن وجهه أنه إذا كان فى الفلاة منفردا مع إتمام الأركان وتوفر الخشوع وغير ذلك من المكملات يحضره من الملائكة ومؤمنى الجن ما لا يحصى ولم أر من قال بذلك(فيض القدير للمناوى، تحت رقم الحديث ۵۱۷۴، ج۴،ص ۲۴۵،حرف الصاد،فصل فى المحلى بأل من هذا الحرف. أى حرف الصاد)

(صلاة الرجل فى جماعة تزيد على صلاته وحده خمسا وعشرين درجة فإذا صلاها بأرض فلاة)أى فى جماعة كما يشير إليه السياق (فأتم وضوء ها وركوعها وسجودها بلغت صلاته خمسين درجة) قال ابن حجر :كأن سره أن الجماعة لا تتأكد فى حق المسافر لوجود المشقة قال أبو زرعة :هو حجة على مالك فى ذهابه إلى أنه لا فضل لجماعة على جماعة وتعلقه بأنه جعل فى الخبر السابق الجماعات كلها بخمس أو سبع وعشرين فاقتضى تساوى الجماعات لا ينهض لأن أقل ما تحصل به الجماعة محصل للتضعيف ولا مانع من تضعيف آخر من نحو كثرة جماعة أو شرف بقعة أو نحوه (فيض القدير تحت رقم الحديث۵۰۷۸)

(صلاة الجماعة تفضل صلاة الفذ) قال القاضى :الفذ الفرد وأول سهام القداح فذ وشاة منفذة تلد واحدا واحدا فإذا اعتادت ذلك سميت منفاذا (بخمس وعشرين درجة) أفاد أن الجماعة غير شرط فى صحة صلاة الفذ لما فى صيغة أفضل من اقتضاء الاشتراك والتفاضل والباطل لا فضيلة فيه وأن أقل الجمع اثنان وحمل المنفرد على غير المعذور منع بأن قوله صلاة الفذ صيغة عموم فيشمل المصلى منفردا لعذر أو غيره(فيض القدير للمناوى، تحت رقم الحديث ۵۰۷۵)

صلاة الجماعة تفضل عن صلاة الفذ بسبع وعشرين درجة .مالك (حم ق ت ن هـ) عن ابن عمر."

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www,idaraghufran.org

چنانچہ حضرت ولید بن ابی مالک سے مرسلاً روایت ہے کہ:

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

(صلاة الجماعة) هم العدد من الناس يجتمعون، تقع على المذكور والإناث أى الصلاة فيها، وتصدق الجماعة ولو على اثنين الإمام وآخر معه لحديث "الاثنان جماعة "تقدم .(تفضل) من باب كرم يكرم .(صلاة الفذ) بالفتح والمعجمة الفرد أى يزيد على صلاة المنفرد، والمراد صلاة كل فرد فرد فى جماعة تفضل صلاته منفردا .(بسبع وعشرين درجة) أى مرتبة أى ضعفا وقيل المعنى أن صلاة الجماعة بمثابة سبع وعشرين ضعفا وعبر بدرجة دون نحو جزاء ونصيب لإرادته أن الثواب من جهة العلو والارتفاع وأن تلك فوق هذه بكذا وكذا فى درجة.

واعلم أن سر هذا التقييد بالعدد لا يتوقف عليه إلا بنور النبوة وأنه لا تنافى فى اختلاف الأعداد من سبع وعشرين وخمس وعشرين لأن القليل لا ينفى الكثير ومفهوم العدد غير معتبر، وقيل :بل أعلم -صلى الله عليه وسلم -بالكثير بعد القليل أو أنه يختلف باختلاف المصلين قلة وكثرة ونية وخشوعا وشرفا بفقه وغيرها وأن الأكثر للصلاة الجهرية والأقل للسرية لنقصها عنها باعتبار سماع قراءة الإمام والتأمين لتأمينه أو الأكثر لمن أدرك الصلاة كلها والأقل لمن أدرك بعضها(التَّنويرُ شَرْحُ الجَامِعِ الصَّغِيرِ، ج۷،ص ۲۳،حرف الصاد)

الصلاة فى جماعة تعدل خمسا وعشرين صلاة فإذا صلاها فى فلاة فأتم ركوعها وسجودها بلغت خمسين صلاة .(د ک) عن أبى سعيد (صح)."

(الصلاة فى جماعة) ولو مع الإمام وواحد معه لحديث" :الاثنان جماعة "(تعدل خمسا وعشرين صلاة) كما تقدم تحقيقه .(فإذا صلاها فى فلاة فأتم ركوعها وسجودها) هذا لا بد منه فى فلاة وحضر، وكأنه خص به صلاة الفلاة؛ لأنها مظنة التساهل فيها .(بلغت خمسين صلاة) وهو ظاهر فى تفضيل صلاة الفلاة مع الانفراد على صلاة غير الفلاة مع الجماعة(التَّنويرُ شَرْحُ الجَامِعِ الصَّغِيرِ، ج۷،ص ۸۰،حرف الصاد،المعرف باللام من حرف الصاد)

ولعل هذه المضاعفة سببها كون الإنسان يحرص عليها فى السفر مع وجود التعب ومع وجود النصب والمشقة، فمع ذلك يكون فيها ذلك الأجر وذلك الفضل العظيم .ويحتمل أن ذلك حيث تكون الفتن وعزلة الناس وكون الإنسان يكون معه غنم يرعاها ويعبد الله عز وجل، وقد جاء فى ذلك أحاديث عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، ولكن من يستطيع مخالطة الناس والصبر على أذاهم ويتمكن من ذلك، فإن ذلك أعظم أجراً من العزلة ومن الانفراد، ولكن ذكر الفلاة هنا يدل على عظم أجر الصلاة فى السفر مع حصول المشقة والنصب والتعب، وأنه لو صلاها وحده فى الفلاة وهو مسافر فإن الله تعالى يكتب له ذلك الأجر العظيم، وقد جاء فى الحديث عن النبى صلى الله عليه وسلم أنه قال :(إذا مرض العبد أو سافر كتب له ما كان يعمل وهو صحيح مقيم) ، وهذا فيه بيان فضل المحافظة على الصلاة دائماً وأبداً ولاسيما فى حال الأسفار وفى الفلوات، وكون الإنسان يكون وحده لا يطلع عليه إلا الله عز وجل ولا يراه إلا الله سبحانه وتعالى، فتكون مراقبته لله عز وجل وتقواه(شرح سنن أبى داود ـ لعبد المحسن العباد)

دَخَلَ رَجُلٌ الْمَسْجِدَ فَصَلَّى فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "أَلَا رَجُلٌ يَتَصَدَّقُ عَلَى هَذَا فَيُصَلِّيَ مَعَهُ؟ "قَالَ: فَقَامَ رَجُلٌ فَصَلَّى مَعَهُ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " هَذَانِ جَمَاعَةٌ(مسند احمد، رقم الحديث ۲۲۳۱۵) [1]

ترجمہ: ایک شخص مسجد میں داخل ہوا، اور نماز پڑھنے لگا، یہ دیکھ کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی ہے، جو اس پر صدقہ کرے، یعنی اس کے ساتھ نماز میں شریک ہوجائے؟ یہ سن کر ایک آدمی کھڑا ہوا، اور اس کے ساتھ نماز پڑھنے لگا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان دونوں سے جماعت ہوگئی (مسند احمد)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى رَجُلًا يُصَلِّي فَقَالَ: " أَلَا رَجُلٌ يَتَصَدَّقُ عَلَى هَذَا يُصَلِّي مَعَهُ؟ "فَقَامَ رَجُلٌ فَصَلَّى مَعَهُ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " هَذَانِ جَمَاعَةٌ (مسند احمد، رقم الحديث ۲۲۱۸۹) [2]

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: حديث صحيح، وهذا مرسل إسناده صحيح رجاله ثقات .هشام بن سعيد: هو الطَالُقاني، وابن المبارك: هو عبد الله، والوليد بن أبي مالك: هو الوليد بن عبد الرحمن بن أبي مالك الهَمداني، وقد ينسب لجدّه.وانظر . (22189) (حاشية مسند احمد)

[2] قال شعيب الارنؤوط:

صحيح لغيره، وهذا إسناد ضعيف جداً، عبيد الله بن زَحْر –وهو الضَّمْرى الإفريقي– ضعيف، وعلى بن يزيد –وهو ابن أبي هلال الألْهاني– واهي الحديث .على بن إسحاق: هو السُّلمي المروزي، وابن المبارك: هو عبد الله، ويحيى بن أيوب: هو الغافقي المصري، والقاسم: هو ابن عبد الرحمن الدمشقي.

وأخرجه أبو يعلى كما في "إتحاف الخيرة (1746) "من طريق محمد بن بكار، والطبراني في "الكبير (7857) "من طريق سريج بن النعمان الجوهري، كلاهما عن عبد الله بن المبارك، بهذا الإسناد.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www,idaraghufran.org

ترجمہ: ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو تنہا نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو فرمایا کہ کوئی ہے جو اس پر صدقہ کرے، یعنی اس کے ساتھ نماز میں شریک ہوجائے؟ یہ سن کر ایک آدمی کھڑا ہوا، اور اس کے ساتھ نماز پڑھنے لگا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان دونوں سے جماعت ہوگئی (مسند احمد)

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وأخرجه الطبراني في "الكبير (7974) "من طريق جعفر بن الزبير، عن القاسم بن عبد الرحمن، به .وجعفر بن الزُّبير متروك الحديث.

وأخرجه الطبراني في "المعجم الأوسط (6620) "، وفي "مسند الشاميين (877) "، وابن عدي في "الكامل 6/2316 "من طريق مسلمة بن علي، عن يحيى بن الحارث الذِّماري، عن القاسم بن عبد الرحمن، به مختصراً بلفظ: " الاثنان فما فوقهما جماعة ." وفيه مسلمة بن علي الحسني، وهو متروك.

وسيأتي الحديث عن هشام بن سعيد، عن عبد الله بن المبارك برقم . (22316)

وأخرجه مرسلاً أبو داود في "المراسيل (26) "عن أبي تَوْبة الرَّبيع بن نافع، عن الهيثم بن حُميد، عن يحيى بن الحارث، عن القاسم أبي عبد الرحمن رفعه .ورجاله ثقات.

وسيأتي مرسلاً من طريق ثور بن يزيد، عن الوليد بن أبي مالك، عن النبي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ برقم (22315)، ورجاله ثقات.

وأخرجه مرسلاً أيضاً أبو داود في "المراسيل (26) "عن أبي تَوْبة الرَّبيع بن نافع، عن الهيثم بن حُميد، عن العلاء بن الحارث وزيد بن واقد جميعاً، عن مكحول رفعه .ورجاله ثقات أيضاً.

وفي الباب عن أبي سعيد الخدري، سلف برقم (11019)، وهو صحيح، وانظر تتمة شواهده هناك.

وفي باب قوله صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: " هذان جماعة "عن غير واحد من الصحابة، منهم: عبد الله بن عمرو، وأبو موسى الأشعري، وأنس بن مالك، والحكم بن عمير الثمالي.

أما حديث أبي موسى الأشعري، فأخرجه عبد بن حميد (567)، وابن ماجه (972)، وأبو يعلى (7223)، والطحاوي في "شرح معاني الآثار 1/308 "، وابن عدي في "الكامل 3/989 "، والدارقطني 1/280، والبيهقي 3/69، والخطيب 8/415 و46-11/45، وابن عساكر في "تاريخه 15/188 "عنه بلفظ: " اثنان فما فوقهما جماعة."

وأما حديث عبد الله بن عمرو، فأخرجه الدارقطني 1/281 عنه .ولفظه كلفظ حديث أبي موسى. ﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى بِأَصْحَابِهِ، ثُمَّ جَاءَ رَجُلٌ، فَقَالَ نَبِيُّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ " :مَنْ يَتَّجِرُ عَلَى هَذَا -أَوْ يَتَصَدَّقُ عَلَى هَذَا -فَيُصَلِّيَ مَعَهُ "قَالَ :فَصَلَّى مَعَهُ رَجُلٌ (مسند الإمام أحمد، رقم الحديث ١١٠١٩) [1]

ترجمہ: ایک مرتبہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کو نماز پڑھائی، نماز کے بعد ایک آدمی آیا، تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس پر کون تجارت کرے گا؟ یا کون اس پر صدقہ دے کر کے اس کے ساتھ نماز پڑھے گا؟

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ یہ سُن کر ایک آدمی نے اس کے ساتھ جا کر نماز پڑھی (مسند احمد)

مذکورہ احادیث میں بیان کردہ مضمون کی تائید بعض دوسری احادیث سے بھی ہوتی ہے۔

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

وأما حديث أنس بن مالك، فأخرجه ابن عدى 3/1203، والبيهقى 3/69 عنه .ولفظه: "الاثنان جماعة، والثلاثة جماعة، وما كثر فهو خير ."وفى رواية البيهقى زيادة فى أول الحديث.

وأما حديث الحكم بن عمير الثمالى، فأخرجه ابن سعد فى "الطبقات 7/415 "، وابن عدى 5/1890 عنه بلفظ:" اثنان فما فوق ذلك جماعة."

وهذه الأحاديث لا يخلو شىء من طرقها من ضعف شديد، لكن جاء هذا الحرف من مرسل القاسم بن عبد الرحمن الدمشقى والوليد بن أبى مالك ومكحول، وأسانيدها صحاح رجالها ثقات كما سلف ذكره آنفاً، ويشهد لصحة معناه أحاديث التصدُّق على الرجل الذى فاتته الجماعة بالصلاة معه، وحديث مالك بن الحويرث السالف فى مسنده برقم (15601)، وهو فى "الصحيحين"، ولفظه: أن النبى صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قال له ولصاحب له: " إذا حضرتِ الصلاةُ فأذّنا وأقيما، ثم ليؤمّكما أكبرُكما "وغيره. (حاشية مسند احمد)

[1] قال شعيب الارنؤوط:حديث صحيح، محمد بن أبى عدى -وإن كان سماعه من سعيد بعد الاختلاط -قد توبع، وبقية رجاله ثقات رجال الشيخين غير سليمان الناجى، فقد روى له أبو داود والترمذى هذا الحديث، وهو ثقة (حاشية مسند احمد)

www,idaraghufran.org

چنانچہ حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ :أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَا وَصَاحِبٌ لِي، فَلَمَّا أَرَدْنَا الْإِقْفَالَ مِنْ عِنْدِهِ، قَالَ لَنَا :إِذَا حَضَرَتِ الصَّلَاةُ، فَأَذِّنَا، ثُمَّ أَقِيمَا، وَلْيَؤُمَّكُمَا أَكْبَرُكُمَا (مسلم، رقم الحديث ٦٧٤ ”٢٩٣“)

ترجمہ: میں اور میرا ایک ساتھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے، پھر جب ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے واپس جانے کا ارادہ کیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں فرمایا کہ جب نماز کا وقت آئے تو تم اذان دینا، اور اقامت کہنا، اور تم دونوں میں سے جو بڑا ہو، اسے اپنا امام بنالینا (مسلم)

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

صَلَّى بِنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا الصُّبْحَ فَقَالَ أَشَاهِدٌ فُلَانٌ قَالُوا لَا قَالَ أَشَاهِدٌ فُلَانٌ قَالُوا لَا قَالَ إِنَّ هَاتَيْنِ الصَّلَاتَيْنِ أَثْقَلُ الصَّلَوَاتِ عَلَى الْمُنَافِقِينَ وَلَوْ تَعْلَمُونَ مَا فِيهِمَا لَأَتَيْتُمُوهُمَا وَلَوْ حَبْوًا عَلَى الرُّكَبِ وَإِنَّ الصَّفَّ الْأَوَّلَ عَلَى مِثْلِ صَفِّ الْمَلَائِكَةِ وَلَوْ عَلِمْتُمْ مَا فَضِيلَتُهُ لَابْتَدَرْتُمُوهُ وَإِنَّ صَلَاةَ الرَّجُلِ مَعَ الرَّجُلِ أَزْكَى مِنْ صَلَاتِهِ وَحْدَهُ وَصَلَاتُهُ مَعَ الرَّجُلَيْنِ أَزْكَى مِنْ صَلَاتِهِ مَعَ الرَّجُلِ وَمَا كَثُرَ فَهُوَ أَحَبُّ إِلَى اللَّهِ تَعَالَى (ابوداؤد، رقم الحديث ٥٥٤، مسند احمد، رقم الحديث ٢١٢٦٦) [1]

ترجمہ: ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کی نماز پڑھائی، پھر فرمایا کہ کیا فلاں شخص نماز میں حاضر ہوا؟ لوگوں نے کہا کہ نہیں۔ پھر فرمایا کہ کیا فلاں شخص

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: حديث حسن صحيح، عبد الله بن أبي بصير، وثقه العجلي وذكره ابن حبان في "الثقات" وقد تابعه أبوه أبو بصير العنبري الكوفي، وقد روى عنه ثلاثة وذكره ابن حبان في "الثقات"، وباقي رجاله ثقات (حاشية سنن ابى داود)

www,idaraghufran.org

حاضر ہوا؟ لوگوں نے کہا کہ نہیں۔

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ دو نمازیں (یعنی فجر اور عشاء) منافقوں پر سب سے زیادہ بھاری گزرتی ہیں، اور اگر تم ان دونوں نمازوں میں جو کچھ (فضیلت اور اجر وثواب) ہے، اس کی حقیقت کو جان لو؛ تو تم ان دونوں نمازوں کے لیے آ ؤ گے، خواہ تمہیں گھٹنوں کے بل ہی کیوں نہ آنا پڑے، اور بے شک پہلی صف فرشتوں کی صف کی طرح ہوتی ہے، اور اگر تم پہلی صف کی فضیلت کو جان لو، تو تم اس کے لیے ضرور پیش قدمی کرو، اور بے شک ایک آدمی کی نماز دوسرے آدمی کے ساتھ پڑھنا، زیادہ پاکیزہ ہے، اس کی تنہاء نماز پڑھنے کے مقابلہ میں، اور آدمی کی دو آدمیوں کے ساتھ نماز پڑھنا زیادہ پاکیزہ ہے، ایک آدمی کے ساتھ نماز پڑھنے کے مقابلہ میں، اور جتنے لوگ بھی (جماعت میں) زیادہ ہوں، وہ اتنی ہی اللہ تعالیٰ کو زیادہ محبوب ہوتی ہے (ابوداود، مسند احمد)

اس حدیث کو ابنِ حبان نے بھی روایت کیا ہے۔ [1]

---

[1] عَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ قَالَ: صَلى بِنَا رَسُولُ اللهِ – صلى الله عليه وسلم – فَقَالَ: "أشَاهِدٌ فُلاَنٌ؟ "قَالُوا: لاَ .قَالَ:" أشَاهِدٌ فلانٌ؟ ."قَالُوا: لا .قَالَ:" إن هَاتَيْنِ الصَّلاتَيْنِ أثْقَلُ الصَّلاةِ عَلَى الْمُنَافِقِينَ، وَلَوْ يَعْلَمُونَ فَضْلَ مَا فِيهِمَا، لأَتَوْهُمَا وَلَوْ حَبْواً، وَإِنَّ الصف الأوَّلَ لَعَلَى مِثْلِ صَفِّ الْمَلائِكَةِ، وَلَوْ تَعْلَمُونَ فَضِيلَتَهُ لابْتَدَرْتُمُوهُ .وَصَلاةُ الرَّجُلِ مَعَ رَجُلَيْنِ أزْكى مِنْ صَلاتِهِ مَعَ رَجُلٍ، وَكُلَّمَا كثُرَ فَهُوَ أحَبُّ إلَى اللهِ تَعَالَى (موارد الظمآن، رقم الحديث ٤٢٩)

قال حسين سليم اسد الدارانی:

إسناده جيد عبد الله بن أبي بصير ما رأيت فيه جرحاً، ووثقه ابن حبان، وقال العجلي في "تاريخ الثقات "ص " :(251) كوفي، تابعي، ثقة ."وقال الذهبي: " وثق ."وأبوه أبو بصير روى عنه جماعة، وما رأيت فيه جرحاً، ووثقه ابن حبان، وباقي رجاله ثقات. والحديث في الإحسان 249 /3– 250برقم .(2554).

وأخرجه الحاكم 247 /1من طريق عثمان بن سعيد الدارمي، حدثنا محمد بن كثير، بهذا الإسناد.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www,idaraghufran.org

حضرت قباث بن اشیم لیثی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ": صَلَاةُ الرَّجُلَيْنِ يَؤُمُّ أَحَدُهُمَا

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وأخرجه الطيالسى 128 /1برقم - (604)ومن طريقه أخرجه البيهقى فى الصلاة 3/ 67– 68باب: الاثنان فما فوقهما جماعة– من طريق شعبة، به.

وأخرجه أحمد 140 /5، وابن خزيمة فى صحيحه 367 /2برقم (1477)من طريق محمد بن جعفر،

وأخرج أبو داود فى اصلاة (554)باب: فضل صلاة الجماعة، من طريق حِفص بن عمر،

وأخرج الدارمى فى الصلاة 291 /1باب: أى الصلاة على المنافقين أثقل، والحاكم 247 /1من طريق سعيد بن عامر،

وأخرجه أحمد 140 /5، والنسائى فى الإِمامة (844)باب: الجماعة إذا كانوا اثنين، من طريق خالد بن الحارث،

وأخرجه ابن خزيمة 367 /2برقم (1477)من طريق يحيى بن سعيد،

وأخرجه الفسوى فى "المعرفة والتاريخ 641 /2 "من طريق سعيد بن الربيع، وحجاج بن منهال، جميعهم عن شعبة، بهذا الإسناد.

وقال الحاكم 248 /1:" هكذا رواه الطبقة الأولى من أصحاب شعبة: يزيد بن هارون، ويحيى بن سعيد، وعبد الرحمن بن مهدى، ومحمد بن جعفر، وأقرانهم .وهكذا رواه سفيان بن سعيد، عن أبى إسحاق."

ثم أخرجه الحاكم من طريق: الحسين بن حفص، وأبى حذيفة، وعبد الصمد بن حسان، والأشجعى، والنعمان بن عبد السلام، جميعهم عن سفيان بن سعيد الثورى، عن أبى إسحاق، به.

وأخرجه عبد الرزاق 523 /1– ومن طريقه أخرجه الحاكم 248 /1– وأحمد 5/ 140، والبخارى فى الكبير 50 /5من طريق سفيان، بالإِسناد السابق.

وأخرجه أحمد 141 /5من طريق جرير بن حازم،

وأخرجه عبد الله بن أحمد فى زوائده على المسند 141 /5من طريق الحجاج بن أرطاة،

وأخرجه الفسوى فى "المعرفة والتاريخ641 /2 "، والبخارى فى الكبير 51 /5،

والحاكم 247 /1من طريق عبد الله بن رجاء، وعبيد الله بن موسى، حدثنا إسرائيل،

وأخرجه البيهقى فى الصلاة 61 /3من طريق إبراهيم بن طهمان، جميعهم عن أبى إسحاق، به .وانظر "تحفة الأشراف 21 /1 "برقم .(36)ولتمام تخريجه انظر الحديث التالى (حاشية موارد الظمآن)

www,idaraghufran.org

صَاحِبَهُ، أَزْكَى عِنْدَ اللَّهِ مِنْ صَلاةِ أَرْبَعَةٍ تَتْرَى، وَصَلاةُ أَرْبَعَةٍ يَؤُمُّهُمْ أَحَدُهُمْ، أَزْكَى عِنْدَ اللَّهِ مِنْ صَلاةِ ثَمَانِيَةٍ تَتْرَى، وَصَلاةُ ثَمَانِيَةٍ يَؤُمُّهُمْ أَحَدُهُمْ، أَزْكَى عِنْدَ اللَّهِ مِنْ صَلاةِ مِائَةٍ تَتْرَى "، قَالَ إِسْحَاقُ بن رَاهَوَيْهِ :قَدْ أَدْرَكَ قَبَاثُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (المعجم الكبير للطبرانی، رقم الحديث ۱۵۴۲۰) [1]

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دو آدمیوں کی اس طرح نماز پڑھنا کہ ایک ان میں سے دوسرے کی امامت کرے، یہ اللہ کے نزدیک چار تنہا نماز پڑھنے والے لوگوں کی نماز سے زیادہ پاکیزہ (وپسندیدہ) ہے، اور چار آدمیوں کی اس طرح نماز پڑھنا کہ ان میں سے ایک دوسروں کی امامت کرے، یہ اللہ کے

---

[1] قال الهيثمی:

رواه البزار والطبرانی فی الكبير ورجال الطبرانی موثقون (مجمع الزوائد، جزء۲ صفحه ۳۹)

و قال المنذری:

رواه البزار والطبرانی بإسناد لا بأس به(الترغيب والترهيب من الحديث الشريف، تحت رقم الحديث ۵۹۷)

و قال الالبانی:

صلاة رجلين يؤم أحدهما صاحبه أزكى عند الله من صلاة ثمانية تترى، وصلاة أربعة يؤمهم أحدهم أزكى عند الله من صلاة مائة تترى ."

رواه البخاری فی "التاريخ (4 "/ 1 /193 - 132) والبزار (رقم (461 - وابن سعد (7 /411) والديلمی (2 /244 - 243) عن أبی خالد ثور بن يزيد عن ابن سيف الكلاعی عن عبد الرحمن بن زياد عن قباث بن أشيم الليثی مرفوعا.

قال ابن شعيب :فقلت لأبی خالد :ما "تترى "؟ قال :متفرقين.

قلت :وهذا سند ضعيف، عبد الرحمن بن زياد هذا لا يعرف أورده ابن أبی حاتم (2 /2 /234) ولم يذكر فيه جرحا ولا تعديلا .وأما ابن حبان فأورده فی " الثقات (1 "/ 123) ! ولعله لذلک قال المنذری (1 /152) " : رواه البزار والطبرانی بإسناد لا بأس به ."لكن للحديث شاهد يتقوى به من حديث أبی بن كعب مرفوعا نحوه .أخرجه ابن أبی شيبة فی "المصنف (1 "/ 131 /1) وأبو داود والنسائی وغيرهم وصححه الحاكم وغيره، وهو مخرج فی "صحيح أبی داود) " 563) وغيره(سلسلة الأحاديث الصحيحة، تحت رقم الحديث ۱۹۱۲)

www,idaraghufran.org

نزدیک آٹھ تنہا نماز پڑھنے والے لوگوں کی نماز سے زیادہ پاکیزہ (وپسندیدہ) ہے، اور آٹھ آدمیوں کی اس طرح نماز پڑھنا کہ ان میں سے ایک دوسروں کی امامت کرے، یہ اللہ کے نزدیک سو تنہا نماز پڑھنے والے لوگوں کی نماز سے زیادہ پاکیزہ (وپسندیدہ) ہے۔

اسحاق بن راہویہ (جو اس روایت کے راوی ہیں، وہ) فرماتے ہیں کہ حضرت قباث نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو پایا ہے (اس لیے وہ صحابی ہیں) (طبرانی)

مذکورہ حدیث میں جو فضیلت بیان کی گئی، وہ مرد حضرات کے لیے ہے۔ [1]

حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَقْبَلَ مِنْ نَوَاحِي الْمَدِينَةِ يُرِيدُ الصَّلَاةَ، فَوَجَدَ النَّاسَ قَدْ صَلَّوْا، فَمَالَ إِلَى مَنْزِلِهِ، فَجَمَعَ أَهْلَهُ، فَصَلَّى بِهِمْ (المعجم الاوسط للطبرانی، رقم الحدیث ۴۶۰۱) [2]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ کے مضافات سے تشریف لائے، آپ نماز پڑھنا چاہتے تھے، اس وقت لوگ نماز پڑھ چکے تھے، تو آپ اپنے گھر تشریف لے گئے، اور اپنے گھر والوں کو جمع کر کے، جماعت کے ساتھ پڑھی (طبرانی)

جلیل القدر تابعی حضرت ابراہیم نخعی سے روایت ہے کہ:

أَنَّ عَلْقَمَةَ، وَالْأَسْوَدَ، أَقْبَلَا مَعَ ابْنِ مَسْعُودٍ إِلَى الْمَسْجِدِ فَاسْتَقْبَلَهُمُ النَّاسُ قَدْ صَلَّوا، فَرَجَعَ بِهِمَا إِلَى الْبَيْتِ فَجَعَلَ أَحَدَهُمَا عَنْ يَمِينِهِ، وَالْآخَرَ عَنْ شِمَالِهِ، ثُمَّ صَلَّى بِهِمَا (المعجم الکبیر للطبرانی، رقم الحدیث ۹۳۸۰)

---

[1] وفی حدیث أبی ہریرۃ الذی خرجہ البخاری: ((صلاۃ الرجل فی الجماعۃ تضعیف)) ، وھو یدل علی أن صلاۃ المرأۃ لا تضعف فی الجماعۃ؛ فإن صلاتھا فی بیتھا خیر لھا وأفضل (فتح الباری لابن رجب، ج۶، ص ۱۹ ، کتاب الآذان، باب فضل صلاۃ الجماعۃ)

[2] قال الھیثمی: رواہ الطبرانی فی الکبیر والأوسط ورجالہ ثقات (مجمع الزوائد، تحت رقم الحدیث ۲۱۷۷ ، باب فیمن جاء إلی المسجد فوجد الناس قد صلوا)

www,idaraghufran.org

ترجمہ: حضرت علقمہ اور حضرت اسود، یہ دونوں حضرات، حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ کے ساتھ مسجد میں تشریف لائے، تو انہوں نے دیکھا کہ لوگ نماز پڑھ کر لوٹ رہے ہیں، تو حضرت ابنِ مسعود رضی اللہ عنہ ان دونوں حضرات کے ساتھ اپنے گھر تشریف لے گئے، اور ایک کو اپنے دائیں طرف، اور دوسرے کو اپنے بائیں طرف کھڑا کر کے نماز پڑھائی (طبرانی)

اس روایت کو عبدالرزاق نے بھی اپنی مصنف میں نقل کیا ہے۔ [1]

مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوا کہ جب تک کوئی عذر نہ ہو، عام حالات میں فرض نماز مسجد میں باجماعت پڑھنا سنت ہے، لیکن اگر مسجد کے علاوہ کسی دوسری جگہ مثلاً گھر، یا دفتر، یا دوکان وغیرہ میں باجماعت فرض نماز پڑھ لے، اگرچہ ایک شخص کے ساتھ ہی کیوں نہ ہو، اور وہ سمجھدار بچہ یا عورت ہی کیوں نہ ہو، تب بھی تمام فقہائے کرام کے نزدیک جماعت سے نماز پڑھنے کے حکم پر عمل ہوجاتا ہے، خواہ فرض نماز باجماعت پڑھنے کا حکم فرض، واجب یا سنتِ مؤکدہ علی العین یا علی الکفایۃ میں سے جس درجہ کا بھی ہو۔

اگرچہ اس صورت میں مسجد کے اندر اور بڑی جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کی فضیلت حاصل نہ ہو، اور مسجد کو معطل ہونے سے بچانے کا حکم اپنی جگہ ہے۔

البتہ جمعہ وعیدین وغیرہ کی نمازوں کے لیے دو سے زیادہ افراد شرط ہیں، جن کی تعداد میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے۔ [2]

---

[1] عَنْ مَعْمَرٍ، عَنْ حَمَّادٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ: أَنَّ عَلْقَمَةَ، وَالْأَسْوَدَ، أَقْبَلَا مَعَ ابْنِ مَسْعُودٍ إِلَى مَسْجِدٍ، فَاسْتَقْبَلَهُمُ النَّاسُ قَدْ صَلَّوْا، فَرَفَعَ بِهِمَا إِلَى الْبَيْتِ، فَجَعَلَ أَحَدَهُمَا عَنْ يَمِينِهِ، وَالْآخَرَ عَنْ شِمَالِهِ، ثُمَّ صَلَّى بِهِمَا (مصنف عبدالرزاق، رقم الحديث ۳۸۸۳)

[2] الاقتداء فی الصلاة هو :ربط صلاة المؤتم بصلاة الإمام كما سبق، فلا بد أن يكون هناك إمام ومقتد، ولو واحدا .وأقل من تنعقد به الجماعة -فی غير العيدين والجمعة -اثنان، وهو أن يكون مع الإمام واحد، لقول النبی صلی الله عليه وسلم :الاثنان فما فوقهما جماعة ولفعله عليه الصلاة والسلام حين صلی بابن عباس وحده .

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www,idaraghufran.org

عذر کی صورت میں ترکِ جماعت کا حکم

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قال النبی -صلی اللہ علیہ وسلم " :-مَن توضّأ فأحسَنَ وضوءہ، ثمَّ راحَ فوجد الناسَ قد صلّوا، أعطاہ اللہ عز وجل مثلَ أجرِ مَن

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وسواء کان ذلک الواحد رجلا أو امرأۃ أو صبیا یعقل، لأن النبی صلی اللہ علیہ وسلم سمی الاثنین مطلقا جماعۃ.

وأما المجنون والصبی الذی لا یعقل فلا عبرۃ بہما، لأنہما لیسا من أہل الصلاۃ(الموسوعۃ الفقہیۃ الکویتیۃ، ج٦،ص ١٩ ،مادۃ "اقتداء" ، الاقتداء فی الصلاۃ)

قال فی القنیۃ: واختلف العلماء فی إقامتہا فی البیت والأصح أنہا کإقامتہا فی المسجد إلا فی الأفضلیۃ(رد المحتار، ج ١ ص ٥٥٤، کتاب الصلاۃ، باب الامامۃ)

ویحصل فضل الجماعۃ بواحد ولو صبیا یعقل أو امرأۃ ولو فی البیت مع الإمام (حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی، ص ٢٨٧، کتاب الصلاۃ، باب الامامۃ)

(الجماعۃ) وہی ما فوق الواحد کذا عن محمد ولذا لو حلف لا یصلی بجماعۃ فأم صبیًا یعقل حنث لا فرق بین کونہا فی المسجد أو غیرہ حتی لو صلی بنحو زوجتہ فی بیتہ نال فضلہا (النہر الفائق، ج ١، ص ٢٣٨، کتاب الصلاۃ، باب الامامۃ)

وإن صلی وحدہ یجوز واختلف العلماء فی إقامتہا فی البیت والأصح أنہا کإقامتہا فی المسجد وفی شرح خواہر زادہ ہی سنۃ مؤکدۃ غایۃ التأکید وقیل فرض کفایۃ وہو اختیار الطحاوی والکرخی وغیرہما وہو قول الشافعی المختار وقیل سنۃ وفی الجواہر عن مالک ہی سنۃ مؤکدۃ وقیل فرض کفایۃ (عمدۃ القاری، ج٥، ص ١٦٢، کتاب مواقیت الصلاۃ، باب وجوب صلاۃ الجماعۃ)

واختلف فیہا ہل ہی فرض أو سنۃ؟ وعلی الأول ہل ہی فرض عین أو کفایۃ؟ خلاف بین الأئمۃ. والصحیح فی مذہب الشافعی أنہا فی غیر الجمعۃ فرض کفایۃ علی الأحرار الذکور المقیمین غیر أولی العذر، أما فی الجمعۃ ففرض عین لأنہا شرط لصحتہا فی الرکعۃ الأولی، وأقلہا فی غیر الجمعۃ إمام ومأموم(دلیل الفالحین لطرق ریاض الصالحین، ج٦، ص٥٤٨، باب فضل صلاۃ الجماعۃ)

أجمع الفقہاء علی أن صلاۃ الجماعۃ أفضل من صلاۃ الفذ، لقول النبی صلی اللہ علیہ وسلم :صلاۃ الجماعۃ تفضل صلاۃ الفذ بسبع وعشرین درجۃ

وکونہا فی المسجد أفضل منہا فی غیر المسجد(الموسوعۃ الفقہیۃ الکویتیۃ، ج٢٣، ص ١٥٨، مادہ،فضائل،فضل صلاۃ الجماعۃ علی غیرہا)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

صلاّها وحَضَرَها، لا يَنقُصُ ذلک من أجرِهم شيئاً (سنن أبی داود، رقم الحدیث ۵۶۴، باب فیمن خرج یرید الصلاة فسُبق بها) ۱

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے اچھی طرح وضو کیا، پھر وہ نماز پڑھنے کے لیے گیا، اور لوگوں کو دیکھا کہ وہ نماز پڑھ چکے ہیں، تو اللہ عزوجل اس کو ان لوگوں کے برابر اجر وثواب عطا فرماتا ہے، جنہوں نے جماعت کے ساتھ حاضر ہوکر نماز پڑھی، لیکن دوسرے لوگوں کے اجروثواب میں کوئی کمی نہیں کی جاتی

(ابوداؤد)

اس طرح کی حدیث ایک اور سند سے بھی مروی ہے۔ ۲

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

(قال الشافعی) - : رحمه الله تعالى -أخبرنا مالک عن نافع عن ابن عمر أن رسول الله -صلى الله عليه وسلم -قال :صلاة الجماعة تفضل صلاة الفذ بسبع وعشرين درجة أخبرنا الربيع قال :أخبرنا الشافعی قال :أخبرنا مالک عن أبی الزناد عن الأعرج عن أبی هريرة أن رسول الله -صلى الله عليه وسلم -قال:صلاة الجماعة أفضل من صلاة أحدكم وحده بخمسة وعشرين جزءا (قال الشافعی) : والثلاثة فصاعدا إذا أمهم أحدهم جماعة، وأرجو أن يكون الاثنان يؤم أحدهما الآخر جماعة، ولا أحب لأحد ترک الجماعة ولو صلاها بنسائه، أو رقيقه، أو أمه، أو بعض ولده فی بيته وإنما منعنی أن أقول صلاة الرجل لا تجوز وحده وهو يقدر على جماعة بحال تفضيل النبی -صلى الله عليه وسلم -صلاة الجماعة على صلاة المنفرد ولم يقل لا تجزء المنفرد صلاته وإنا قد حفظنا أن قد فاتت رجالا معه الصلاة فصلوا بعلمه منفردين وقد كانوا قادرين على أن يجمعوا وأن قد فاتت الصلاة فی الجماعة قوما فجاء وا المسجد فصلى كل واحد منهم متفردا وقد كانوا قادرين على أن يجمعوا فی المسجد فصلى كل واحد منهم منفردا وإنما كرهوا لئلا يجمعوا فی مسجد مرتين ولا بأس أن يخرجوا إلى موضع فيجمعوا فيه وإنما صلاة الجماعة بأن يأتم المصلون برجل فإذا ائتم واحد برجل فهی صلاة جماعة وكلما كثرت الجماعة مع الإمام كان أحب إلی وأقرب إن شاء الله تعالى من الفضل(الأم،للشافعی، ج ۱،ص ۱۸۰ ،صلاة الجماعة،وفضل الجماعة والصلاة معهم)

۱ قال شعيب الارنؤوط:إسناده حسن، مُحصِن بن علی روى عنه ثلاثة، وذكره ابن حبان فی "الثقات "وقال :يروى المراسيل (حاشية سنن ابی داود)

۲ عَنْ عَوْفِ بْنِ الْحَارِثِ، قَالَ :قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :مَنْ تَوَضَّأَ فَأَحْسَنَ وُضُوءَهُ، ثُمَّ رَاحَ فَوَجَدَ النَّاسَ قَدْ صَلَّوْا أَعْطَاهُ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ مِثْلَ أَجْرِ مَنْ صَلَّاهَا، وَحَضَرَهَا لَا يَنْقُصُ ذَلِکَ مِنْ أُجُورِهِمْ شَيْئًا (مستدرک حاکم، رقم الحديث ۷۵۴)

قال الحاکم: هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ عَلَى شَرْطِ مُسْلِمٍ، وَلَمْ يُخَرِّجَاهُ

و قال الذهبی فی التلخيص: على شرط مسلم.

www,idaraghufran.org

مطلب یہ ہے کہ جب کوئی شخص اپنی طرف سے کوتاہی نہ کرے، پھر بھی کسی عذر کی وجہ سے تاخیر ہونے پر اس کی نماز جماعت سے نکل جائے، تو اس کو تنہا نماز پڑھنے کی صورت میں بھی جماعت سے نماز پڑھنے کا اجروثواب حاصل ہوتا ہے۔ ؎

اسی وجہ سے صحابۂ کرام سے جماعت کی نماز چھوٹ جانے کی صورت میں بعض اوقات تنہا نماز پڑھنا بھی مروی ہے۔

؎ (وعن أبي هريرة رضي الله عنه، قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم " :من توضأ فأحسن وضوء ه، ثم راح) أي :ذهب إلى المسجد، أي وقت كان، وفي العدول عن غدا إلى راح نكتة لا تخفى، (فوجد الناس قد صلوا) : فيه إشارة إلى أن المصلين هم الناس، والباقون كالنسناس (أعطاه الله مثل أجر من صلاها) أي :من أفرادهم (وحضرها) : من أولها، ونقل عن خط السيد السند مير بادشاه رحمه الله :إن في نسخة شيخ المحدثين جمال الدين فحضرها بالفاء اهـ .ولا يخفى عدم صحة الفاء في المعنى، مع أنه مخالف للنسخ المصححة المقروء ة على مشايخ السنة . (لا ينقص ذلك من أجورهم شيئا) : من الأجر أو النقص لكمال فضل الله وسعة رحمته، قال المظهر :هذا إذا لم يكن التأخير ناشئا عن التقصير قال الطيبي :لعله يعطى الثواب لوجهين . أحدهما :أن نية المؤمن خير من عمله، والآخر جبرا لما حصل له من التحسر لفواتها اهـ. والتحقيق أنه يعطى له بالنية أصل الثواب وبالتحسر ما فاته من المضاعفة(مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، ج٣،ص ١٨٨،باب ما على المأموم من المتابعة وحكم المسبوق)

"وعن أبي هريرة أنه قال :قال رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم :من توضأ فأحسن وضوء ه، ثم راح"؛ أي :ذهب. "فوجد الناس قد صلوا، أعطاه الله تعالى مثل أجر من صلاها وحضرها، لا ينقص ذلك من أجرهم شيئا :"هذا إذا لم يكن منه تقصير في تأخير الصلاة من غير عذر، أما لو أخر حضور الجماعة بغير عذر حتى تفوته الجماعة، لم يكن له هذا الثواب(شرح مصابيح السنة للإمام البغوي، ج٢،ص ١٣٠ ،باب ما على المأموم من المتابعة وحكم المسبوق)

فصل:هذه الأحاديث دالة على أن الأعذار المرخصة لترك الجماعة كما تنفي الحرج عن التارك يحصل له فضل الجماعة إذا صلاها منفردا، وكان قصده الجماعة لولا العذر، وبه صرح الروياني في "تلخيصه "قال للأخبار الواردة في الباب.

ويشهد له أيضا حديث أبي هريرة" :من توضأ فأحسن وضوء ه ثم خرج إلى المسجد فوجد الناس قد صلوا أعطاه الله -عز وجل -مثل أجر من صلاها وحضرها ,لا ينقص ذلك من أجرهم شيئا " رواه أبو داود والنسائي والحاكم، وقال :صحيح على شرط مسلم .وهو راد على قول النووي في "شرح المهذب "(حيث قال :) إن هذه الأعذار تسقط الكراهة أو الإثم ولا تكون محصلة للفضيلة(التوضيح لشرح الجامع الصحيح،لابن الملقن،جز١٨ ،ص ١٣٩ ،باب يكتب للمسافر مثل ما كان يعمل في الإقامة)

www,idaraghufran.org

چنانچہ حضرت حسن بصری سے روایت ہے کہ:

كَـانَ أَصْـحَـابُ مُـحَـمَّدٍ صلى الله عليه وسلم إذَا دَخَلُوا الْمَسْجِدَ وَقَدْ صُلِّيَ فِيهِ صَلَّوْا فُرَادَى (مصنف ابنِ ابى شيبة، رقم الحديث ٧١٨٨)

ترجمہ: محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرام جب مسجد میں داخل ہوتے، اور جماعت ہوچکی ہوتی، تو تنہا نماز پڑھ لیا کرتے تھے (ابن ابی شیبہ)

یہی حکم اس صورت میں بھی ہے، جب کوئی کسی مرض یا عذر کی وجہ سے جماعت میں شریک نہ ہوسکے۔ کئی احادیث سے اس کی تائید ہوتی ہے۔

چنانچہ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَـالَ رَسُـوْلُ اللهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : إِذَا مَـرِضَ الْعَبْدُ، أَوْ سَافَرَ، كُتِـبَ لَهُ مِثْلُ مَا كَانَ يَعْمَلُ مُقِيْمًا صَحِيْحًا (بخارى،رقم الحديث ٢٩٩٦، باب يكتب للمسافر مثل ما كان يعمل فى الإقامة)

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب بندہ بیمار ہوجائے، یا سفر کرے، تو اس کے لئے اسی طرح کا اجروثواب لکھا جاتا ہے، جو وہ مقیم اور صحت مند ہونے کی حالت میں عمل کیا کرتا تھا (بخاری)

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

عَـنِ الـنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا أَحَدٌ مِّنَ النَّاسِ يُصَابُ بِبَلَاءٍ فِـيْ جَسَـدِهٖ إِلَّا أَمَـرَ الـلّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ الْمَلَائِكَةَ الَّذِيْنَ يَحْفَظُوْنَهٗ فَقَالَ : اُكْتُبُـوْا لِعَبْدِىْ فِيْ كُلِّ يَوْمٍ وَلَيْلَةٍ، مَا كَانَ يَعْمَلُ مِنْ خَيْرٍ، مَا كَانَ فِيْ وِثَاقِيْ (مسنداحمد، رقم الحديث ٦٤٨٢) [1]

---

[1] قال شعيب الارنؤوط:

إسناده صحيح على شرط مسلم، رجاله ثقات رجال الشيخين غير القاسم بن مخيمرة،

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www,idaraghufran.org

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگوں میں جس شخص کے بھی جسم میں کوئی بیماری ہوجاتی ہے، تو اللہ عزوجل اُن فرشتوں کو جو نامۂ اعمال کو محفوظ کرنے والے ہیں، یہ حکم فرماتے ہیں کہ تم میرے بندہ کے لئے ہر دن اور رات میں وہ سب خیر والے اعمال لکھو، جو وہ (تن درستی کی حالت میں) کیا کرتا تھا، جب تک کہ یہ (بیماری کی وجہ سے) میری قید میں ہے (مسند احمد)

اور حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : إِنَّ الْعَبْدَ إِذَا كَانَ عَلٰى طَرِيْقَةٍ حَسَنَةٍ مِنَ الْعِبَادَةِ، ثُمَّ مَرِضَ، قِيْلَ لِلْمَلَكِ الْمُوَكَّلِ بِهٖ، اُكْتُبْ لَهٗ مِثْلَ عَمَلِهٖ إِذَا كَانَ طَلِيْقًا، حَتّٰى أُطْلِقَهٗ، أَوْ أَكْفِتَهٗ إِلَيَّ (مسند احمد، رقم الحديث ٦٨٩٥) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بندہ جب عبادت کے اچھے طریقہ پر ہوتا ہے، پھر وہ بیمار ہوجاتا ہے، تو اُس پر مقرر فرشتہ سے کہا جاتا ہے کہ تم اُس کے لئے اسی طرح کے عمل کی طرح (کا اجر وثواب) لکھو، جب وہ (بیماری سے) آزاد تھا، یہاں تک کہ میں اُسے (بیماری سے) آزاد نہ کردوں، یا (بصورتِ دیگر) اُس کو اپنی طرف نہ بُلا لوں (یعنی وفات نہ دے دوں) (مسند احمد)

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾ فمن رجال مسلم، وروى له البخارى تعليقاً (حاشية مسند احمد)

وقال المناوى:

(ما من مسلم يصاب فى جسده إلا أمر الله تعالى الحفظة اكتبوا لعبدى فى كل يوم وليلة من الخير ما كان يعمل ما دام محبوسا فى وثاقى) أى قيدى ولهذا قيل إن امرأة فتح الموصلى عثرت فانقلع ظفرها فعرجت فضحكت فقيل لها: ما تجدين الوجع قالت: لذة ثوابه أزالت عن قلبى مرارة ألمه.

(ك) فى الجنائز (عن ابن عمرو) بن العاص قال الحاكم: على شرطهما وأقره الذهبى (فيض القدير، تحت رقم الحديث ٨١٠٣)

[1] قال شعيب الارنؤوط: حديث صحيح، وهذا إسناد حسن، رجاله ثقات رجال الشيخين إلا أن عاصماً روى له الشيخان مقروناً، وتابعه أبو حصين (حاشية مسند احمد)

www.idaraghufran.org

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ: إِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ يَقُوْلُ: إِنِّيْ إِذَا ابْتَلَيْتُ عَبْدًا مِّنْ عِبَادِيْ مُؤْمِنًا، فَحَمِدَنِيْ عَلٰى مَا ابْتَلَيْتُهُ، فَإِنَّهُ يَقُوْمُ مِنْ مَضْجَعِهِ ذٰلِكَ كَيَوْمٍ وَلَدَتْهُ أُمُّهُ مِنَ الْخَطَايَا، وَيَقُوْلُ الرَّبُّ عَزَّ وَجَلَّ: أَنَا قَيَّدْتُ عَبْدِيْ، وَابْتَلَيْتُهُ، فَأَجْرُوْا لَهُ كَمَا كُنْتُمْ تُجْرُوْنَ لَهُ وَهُوَ صَحِيْحٌ (مسند احمد، رقم الحديث ١٧١١٨) [1]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ بے شک اللہ عزّ وجلّ فرماتا ہے کہ میں جب اپنے بندوں میں سے کسی مومن بندہ کو بیماری میں مبتلا کر دیتا ہوں، پھر وہ اس بیماری پر میری حمد بیان کرتا ہے، تو وہ اس بیماری کی وجہ سے اپنے بستر سے اس حال میں خطاؤں سے پاک ہو کر اٹھتا ہے، جیسا کہ اس دن تھا، جس دن کہ وہ اپنی ماں سے پیدا ہوا تھا۔

اور رب عزّ وجلّ فرماتا ہے کہ میں نے اپنے بندہ کو (بیماری میں) قید کیا ہے، اور اس کو بیماری میں مبتلا کیا ہے، تو (اے فرشتو!) تم اس کے لیے اسی طرح کا اجر و ثواب لکھو، جس طرح تم اس کے لیے صحیح وتن درست ہونے کی حالت میں (اس کے کئے جانے والے عمل کو) لکھتے تھے (مسند احمد)

اس طرح کے مضمون کی اور بھی کئی احادیث و روایات ہیں۔ [2]

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: صحيح لغيره (حاشية مسند احمد)

[2] عن أنس بن مالك، أن رسول الله صلى الله عليه وسلم قال " :ما من عبد يبتليه الله ببلاء في جسده، إلا قال الله للملك :اكتب له صالح عمله الذي كان يعمل، فإن شفاه غسله وطهره، وإن قبضه غفر له ورحمه (مسند احمد، رقم الحديث ١٣٥٠١)

في حاشية مسند احمد: صحيح لغيره، وهذا إسناد حسن.

عن أبي هريرة قال :قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :ما من عبد يمرض مرضا إلا أمر الله حافظه أن ما عمل من سيئة فلا يكتبها، وما عمل من حسنة أن يكتبها له عشر حسنات، وأن يكتب له من العمل الصالح كما كان يعمل، وهو صحيح، وإن لم يعمل (مسند أبي يعلى، رقم الحديث ٦٢٣٨)

www,idaraghufran.org

جن سے معلوم ہوتا ہے کہ بندہ جب مقیم اور صحت مند ہونے کی حالت میں کوئی نیک عمل کیا کرتا ہے، اور پھر وہ بیمار ہوجاتا ہے، یا سفر میں ہوتا ہے، تو اس کو اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اسی طرح نیک اعمال کا اجر وثواب عطا فرماتا ہے، جو وہ مقیم اور صحت مند ہونے کی حالت میں کیا کرتا تھا، خواہ اس کا سفر اور بیماری کتنی ہی طویل کیوں نہ ہوجائے، یہاں تک کہ وہ اسی حال میں فوت کیوں نہ ہوجائے۔

بعض اہلِ علم حضرات نے بڑھاپا اور کمزوری پیدا ہوجانے کا بھی یہی حکم بیان کیا ہے، کہ جو شخص کوئی نیک عمل کیا کرتا تھا، پھر وہ بوڑھا یا کمزور ہوگیا، جس کی وجہ سے اس کو اب وہ نیک عمل کرنا دشوار ہوگیا، تو اس کو بھی اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے پہلے جیسا اجر وثواب عطا فرماتا ہے۔

کیونکہ ایسے لوگوں کی یہ نیت ہوتی ہے کہ اگر انہیں یہ مانع پیش نہ آتا، تو وہ اس نیک عمل کو برابر انجام دیتے رہتے۔ [1]

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

مَنْ أَتٰى فِرَاشَهُ، وَهُوَ يَنْوِىْ أَنْ يَّقُوْمَ فَيُصَلِّيَ مِنَ اللَّيْلِ، فَغَلَبَتْهُ عَيْنُهُ حَتّٰى يُصْبِحَ، كُتِبَ لَهُ مَا نَوٰى، وَكَانَ نَوْمُهُ صَدَقَةً عَلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ (ابنِ ماجه، رقم الحديث ١٣٤٤، باب ما جاء فيمن نام عن حزبه من الليل، مستدرک حاکم،

---

[1] (وعن أبی موسى قال :قال رسول الله -صلى الله عليه وسلم " :-إذا مرض العبد) وفى معناه :إذا كبر وقد جاء صريحا فى رواية .(أو سافر) أى :وفات منه بذلک نفل .(كتب له بمثل ما كان يعمل) أى :من النوافل، والباء زائدة كهى فى قوله تعالى :(فإن آمنوا بمثل ما آمنتم به) (البقرة) (مقيما صحيحا) : شابا قويا(مرقاة المفاتيح ، كتاب الجنائز، باب عيادة المريض وثواب المرض)

قوله إذا مرض العبد أو سافر فى رواية هشيم إذا كان العبد يعمل عملا صالحا فشغله عن ذلک مرض قوله كتب له مثل ما كان يعمل مقيما صحيحا هو من اللف والنشر المقلوب فالإقامة فى مقابل السفر والصحة فى مقابل المرض وهو فى حق من كان يعمل طاعة فمنع منها وكانت نيته لولا المانع أن يدوم عليها كما ورد ذلک صريحا عند أبى داود (فتح البارى لا بن حجر، باب يكتب للمسافر ما كان يعمل فى الإقامة)

www,idaraghufran.org

رقم الحديث ١١٧٠ ،صحيح ابنِ حبان،رقم الحديث ٢٥٨٨، صحيح ابنِ خزيمة،
رقم الحديث ١١٧٣) [1]

ترجمہ: جو شخص اپنے بستر پر آیا، اور اس کی نیت یہ ہے کہ وہ رات کو اٹھ کر (تہجد کی) نماز پڑھے گا، پھر اس پر صبح ہونے تک نیند غالب رہی (یعنی صبح ہونے تک آنکھ نہ کھلی) تو اس کے لئے اس کی نیت کے مطابق ثواب لکھا جائے گا، اور اس کی نینداس پر اس کے رب کی طرف سے صدقہ بن جائے گی (ابنِ ماجہ)

اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَا مِنَ امْرِءٍ تَكُونُ لَهُ صَلَاةٌ بِلَيْلٍ فَغَلَبَهُ عَلَيْهَا نَوْمٌ إِلَّا كَتَبَ اللّٰهُ لَهُ أَجْرَ صَلَاتِهِ، وَكَانَ نَوْمُهُ صَدَقَةً عَلَيْهِ (سنن النسائی،رقم الحديث ١٧٨٤، باب من كان له صلاة بالليل فغلبه عليها النوم،ابوداؤد، رقم الحديث ١١١٩، المؤطا للامام محمد، رقم الحديث ١٦٨ ،مسند احمد، رقم الحديث ٢٤٣٤١، ورقم الحديث ٢٤٤٤١، سنن البيهقى، رقم الحديث ٤٧٢٣) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو آدمی بھی رات کو (کسی وقت اٹھ کر) نماز پڑھتا ہے، پھر (کسی دن) اس پر نیند کا غلبہ ہو جاتا ہے (جس کی وجہ سے وہ سوتا رہ جاتا ہے، اور صبح ہونے تک اٹھ نہیں پاتا) تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے اس کی نماز کا اجر لکھ دیتے ہیں، اور اس کی نیند اس پر صدقہ ہو جاتی ہے (نسائی)

نماز کا اجر لکھے جانے کی وجہ یہی ہوتی ہے کہ وہ اپنی عادت اور معمول کی وجہ سے اس رات میں بھی تہجد کے لئے اٹھنے کی نیت رکھتا ہے، مگر نیند کے غلبہ کی وجہ سے اٹھ نہیں پاتا، تو اس کو اللہ

---

[1] قال شعيب الارنؤوط: حديث صحيح لغيره (حاشية مسند احمد، تحت حديث رقم ٢٤٣٤١)
وقال ايضاً: حديث حسن لغيره (حاشية مسند احمد،تحت حديث رقم ٢٤٤٤١)

تعالیٰ اس کی نیت کے مطابق اپنے فضل سے تہجد کا ثواب عطا فرما دیتا ہے۔

اور راجح یہ ہے کہ ایسے شخص کو تہجد کا پورا ثواب ہی ملتا ہے۔ [1]

تاہم اگر اتفاق سے کسی دن ناغہ ہو جائے، اور آئندہ کے لئے اس پر عمل کرنے میں کوئی عذر نہ ہو، تو اس ناغہ شدہ معمول کو کسی دوسرے وقت میں کر لینا بہتر ہے۔

فقہائے کرام نے بیمار کے علاوہ، تیمار دار شخص کے لیے جو مریض کی تیمار داری میں مصروف ہو، جیسا کہ بعض مریضوں کے ساتھ تیمار دار ہسپتال وغیرہ میں ہوتے ہیں، اور نماز باجماعت کے لیے جانے سے مریض کو تکلیف ہوتی ہو، مثلاً اس وقت کوئی دوسرا قریبی مددگار موجود نہ ہو، اور مریض کو کسی بھی وقت کوئی ضرورت پیش آ سکتی ہو، یا دوا وغیرہ لا کر دینی پڑ سکتی ہو، اس کے لیے باجماعت فرض نماز، بلکہ جمعہ کے دن جمعہ کی عظیم الشان نماز کو بھی معاف قرار دیا ہے، ایسے شخص کو جماعت چھوڑ کر بغیر جماعت کے مریض کے قریب رہتے ہوئے فرض نماز پڑھنے اور جمعہ کی نماز کے بجائے ظہر کی نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں۔

اس کے علاوہ صحیح احادیث سے یہ مسئلہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر پیشاب پائخانہ کا سخت دباؤ ہو، اور فرض نماز باجماعت تیار ہو، تو پہلے پیشاب پاخانہ کے تقاضہ سے فارغ ہوا جائے، پھر نماز پڑھی جائے، خواہ اس کی وجہ سے جماعت نکل جائے، جبکہ نماز قضاء نہ ہو۔

---

[1] (ما من امرء يكون له صلاة بالليل) وعزمه أن يقوم اليها (فيغلبه عليها نوم الا كتب الله تعالى له أجر صلاته وكان نومه عليه صدقة) من الله مكافأة له على نيته وهذا فيمن تعود ذلك الرد فغلبه النوم أحيانا (التيسير بشرح الجامع الصغير للمناوى، ج۲، ص۳۵۸، حرف الهمزة)

وهذا لمن كانت عادته ذلك ، وظاهره أن له أجرَه كاملاً كما لو عمله ؛ لأن الله حبسه عنه ، وقد جاء ت بهذا ظواهر أحاديث كثيرة ......قال بعض شيوخنا :وقال بعضهم :يحتمل أن يكون اخرها غيرَ مضاعف بعشرٍ بخلاف إذا عملها ، إذ الذى يصليها أكمل أُجراً أو يكون له أجر بنيته أو أجر من يتمنى أن يصلى تلك الصلاة أو أجر تأسفه على مافاته منها ، والأول أظهر ، لاسيما مع قوله : (وكان نومه عليه صدقة) ، فلو نقصه النوم من الأجر لم تكن صدقة ، بل كان مانعاً له من خير ومفتّراً فى أجور الفضائل ، والأجور ليست على قياس ، و(نما هى (بفضل من الله)بما شاء على من شاء كيف شاء (اكمال المعلم شرح صحيح مسلم للقاضى عياض، كتاب صلاة المسافرين وقصرها،باب جامع صلاة الليل)

www,idaraghufran.org

اسی طرح صحیح احادیث میں یہ مسئلہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ اگر کھانا تیار ہو، اور بھوک لگی ہو یا کھانے کا تقاضہ ہو، اور دوسری طرف فرض نماز باجماعت بھی تیار ہو، تو پہلے کھانے کی ضرورت پوری کی جائے، خواہ اس درمیان جماعت نکل جائے، ایسی صورت میں کھانے سے فراغت کے بعد ہی نماز پڑھی جائے، بشرطیکہ نماز قضاء نہ ہو۔

اس کے علاوہ فقہائے کرام نے جان ومال کی حفاظت کو بھی ترکِ جماعت کے معتبر اعذار میں شمار کیا ہے۔ [1]

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم، چونکہ اپنے شوق کے بجائے شریعت کے احکام کا علم حاصل کر کے ان پر عمل کیا کرتے تھے، اس لیے ان حضرات کا اپنے مزے یا شوق کے بجائے احادیث وسنت پر عمل تھا۔

---

[1] ثم لما كان فى شهود الجماعة حرج للضعيف، والسقيم، وذى الحاجة اقتضت الحكمة أن يرخص فى تركها عند ذلك، ليتحقق العدل بين الإفراط والتفريط:
فمن أنواع الحرج ليلة ذات برد ومطر، ويستحب عند ذلك قول المؤذن :ألا صلوا فى الرحال.
ومنها حاجة يعسر التربص بها كالعشاء إذا حضر، فإنه ربما تتشوف نفس إليه، وربما يضيع الطعام، وكمدافعة الاخبثين، فإنه بمعزل عن فائدة الصلاة مع ما به من اشتغال النفس، ولا اختلاف بين حديث لا صلاة بحضرة الطعام "وحديث "لا تؤخروا الصلاة لطعام ولا غيره "إذ يمكن تنزيل كل واحد على صورة أو معنى إذ المراد نفى وجوب الحضور سدا لباب التعمق، وعدم التأخير هو الوظيفة لمن أمن شر التعمق، وذلك كتنزيل فطر الصائم وعدمه على الحالين، أو التأخير إذا كان تشوف إلى الطعام، أو خوف ضياع وعدمه إذا لم يكن، وذلك مأخوذ من حالة العلة.
ومنها ما إذا كان خوف فتنة كامرأة أصابت بخورا، ولا اختلاف بين قوله صلى الله عليه وسلم ": إذا استأذنت امرأة أحدكم إلى المسجد فلا يمنعها "وبين ما حكم به جمهور الصحابة من منعهن إذ المنهى الغيرة التى تنبعث من الأنفة دون خوف الفتنة، والجائز ما فيه خوف الفتنة، وذلك قوله صلى الله عليه وسلم الغيرة غيرتان "الحديث، وحديث عائشة "إن النساء أحدثن "الحديث.
ومنها الخوف والمرض، والأمر فيهما الظاهر(حجة الله البالغة،ج۲،ص ۴۱،من أبواب الصلاة)
والأخبار كلها محمولة على الاستحباب، والتحريض على الجماعات، بدليل ما رويناه من الأخبار، هذا كله لمن لم يكن له عذر، فإن كان له عذر جاز أن يترك الجماعة، مثل أن يكون فى الطريق وحل شديد، وكانت السماء تمطر أو كان البرد مفرطا۔ أو الرياح تهب شديدًا أو كان يخاف على نفسه أو على ماله، ولا يجد من يحفظ أمتعته فى بيته(التعليقة للقاضى حسين،على مختصر المزنى،ج۲،ص ۱۰۰۹،كتاب الصلاة،باب فضل الجماعة والعذر بتركها)

www,idaraghufran.org

چنانچہ حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں روایات میں آتا ہے کہ وہ بعض اوقات کھانا کھا رہے ہوتے تھے، اور وہیں قریب مسجد میں نماز باجماعت کھڑی ہوجاتی تھی، ان کو امام کی آواز بھی آرہی ہوتی تھی، لیکن وہ اس حالت میں پہلے کھانے کی ضرورت سے فارغ ہوتے تھے، اور بعد میں نماز پڑھتے تھے۔ ۱

اسی طرح کا واقعہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی روایات میں آیا ہے۔ ۲

جبکہ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہما سنت کے بڑے متبع اور سنتوں سے بڑی محبت کرنے والے تھے، لیکن آج اگر کوئی بزرگ یا عالم ایسا کرے، اور قریب میں نماز باجماعت ہورہی ہو، تو اس پر کم علم عابدوں کی طرف سے نہ جانے کیا کیا فتوے لگادیئے جائیں۔

حالانکہ یہ عمل خلفائے راشدین اور صحابۂ کرام، یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ حضرات سے ثابت ہے۔

پس بعض کام یا اعذار ایسے ہوسکتے ہیں کہ ان کو اختیار کرنا متعین شخص پر واجب یا ضروری ہوجاتا ہے، یا اور کوئی ایسا عذر ہوتا ہے، جس کی بناء پر اس کو جماعت سے نماز پڑھنے کا حکم اور

---

۱ عن ابن عمر، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا وضع عشاء أحدكم وأقيمت الصلاة، فابدئوا بالعشاء ولا يعجل حتى يفرغ منه وكان ابن عمر: يوضع له الطعام، وتقام الصلاة، فلا يأتيها حتى يفرغ، وإنه ليسمع قرائة الإمام(بخارى، رقم الحديث ٦٧٣)

عن نافع، عن ابن عمر قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا وضع العشاء، ونودى بالصلاة، فابدؤوا بالعشاء قال وتعشى ابن عمر ذات ليلة، وهو يسمع قرائة الإمام "(صحيح ابنِ خزيمة، رقم الحديث ٩٣٥)

۲ عن هشام بن عروة، عن ابن لأبى المليح، عن أبيه، قال: كنا مع أبى بكر وقد خرج لصلاة المغرب وأذن المؤذن فتلقى بقصعة فيها ثريد ولحم، فقال: اجلسوا فكلوا فإنما صنع الطعام ليؤكل، فأكل، ثم دعا بماء فغسل أطراف أصابعه ومضمض وصلى (مصنف ابنِ ابى شيبة، رقم الحديث ٨٠٠٤)

اس کی تاکید ضروری نہیں رہتی، چہ جائیکہ اس کو مسجد میں باجماعت نماز پڑھنا ضروری قرار دیا جائے۔

دین کا علم اور خاص کر فقہ بڑی دولت اور نعمت ہے، جس کے بارے میں حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ خیر کا ارادہ فرماتا ہے، اس کو دین میں تفقہ اور دین کی سمجھ عطا فرما دیتا ہے۔ [1]

لہٰذا اگر کوئی شخص کسی وقت مسجد میں باجماعت فرض نماز ادا نہ کرے، تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس نے مسجد کے علاوہ بھی باجماعت نماز ادا نہ کی ہو یا اس نے بغیر معقول عذر کے جماعت کی نماز کو ترک کیا ہو۔

اور جبکہ اس سلسلہ میں فقہائے کرام کے اقوال بھی مختلف ہیں، ایسی صورت میں کسی وقت مسجد کی باجماعت نماز کے ترک کرنے والے سے بدگمانی کرنا، یا اس پر تنقید کرنا، اور اس کو فاسق وگمراہ وغیرہ قرار دینا، بجائے خود قابلِ اصلاح طرزِ عمل ہے۔

جن لوگوں کو دین کا شوق پیدا ہو جاتا ہے، مگر علم وفقہ کی کمی ہوتی ہے، وہ اپنے شوق کی بنیاد پر عمل کیے جاتے ہیں، اور اس کے نتیجہ میں خود بھی کئی گناہ کرتے ہیں، اور دوسروں پر بھی ایسے عمل کی وجہ سے نکیر کر کے گناہ گار ہوتے ہیں کہ وہ کام منکر کی فہرست میں نہیں آتا، غیر منکر فعل پر نکیر کرنا، خود منکر فعل ہوتا ہے، اور جس پر نکیر کی جارہی ہے، اس کا فعل منکر نہیں ہوتا۔

فقہائے کرام نے اس بات کی بھی تصریح فرمائی ہے کہ جو مسئلہ فقہاو مجتہدین کے درمیان اختلافی واجتہادی ہو، اس میں جانبِ مخالف پر نکیر کرنا جائز نہیں ہوتا، اور باجماعت نماز کے بارے میں متعدد فقہاء کا قول فرض یا واجب علی الکفایۃ کا ہے، جس کے متعلق پہلے عرض کیا

---

[1] عن ابن شهاب، قال :قال حميد بن عبد الرحمن، سمعت معاوية، خطيبا يقول سمعت النبى صلى الله عليه وسلم يقول :من يرد الله به خيرا يفقهه فى الدين، وإنما أنا قاسم والله يعطى، ولن تزال هذه الأمة قائمة على أمر الله، لا يضرهم من خالفهم، حتى يأتى أمر الله(بخارى، رقم الحديث ٧١)

www,idaraghufran.org

جاچکا ہے، پس اس قول کے مطابق جب کفایہ درجہ میں عمل ہو رہا ہو، تو دوسرے لوگوں پر اور بالخصوص فقہی اعتبار سے معذور ومعفو عنہ لوگوں پر نکیر کرنے کا کیا مطلب؟

اجتہادی مسائل میں نکیر کی ممانعت

اس سلسلے میں سرِ دست مشائخِ دیوبند کی عظیم فقہی شخصیت، حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کی تحریرات سے چند قیمتی اقتباسات ذکر ونقل کیے جاتے ہیں۔

مفتی صاحب موصوف ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ:

ائمۂ اربعہ کے متفق علیہ اصول سے یہ ثابت ہے کہ جس مسئلے میں اجتہاد کی گنجائش ہو، اور ائمۂ مجتہدین اپنی اپنی صوابدید کے مطابق اس کی کوئی خاص صورت تجویز کر کے عمل کریں، تو ان میں کوئی جانب منکر نہیں ہوتی، دونوں جانبیں معروف ہی کی فرد ہوتی ہیں، اس لیے وہاں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا خطاب بھی متوجہ نہیں ہوتا، اور اپنے مسلکِ مختار کے مخالف عمل کرنے والوں پر تارکِ سنت ہونے کا الزام لگانا، یا ان کو فاسق کہنا کسی کے نزدیک جائز نہیں۔

امامِ حدیث حافظ ابنِ عبدالبر مالکی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ''**جامع العلم**'' میں اس کے متعلق جو مضمون نقل فرمایا ہے، وہ اہلِ علم کو ہمیشہ مستحضر اور صفحۂ قلب پر نقش رکھنا ضروری ہے، تاکہ ان مفاسد سے بچ سکیں، جن میں آج کل کے بہت سے علماء مبتلا ہیں کہ اجتہادی مسائل میں اختلاف کی بناء پر ایک دوسرے کی تفسیق وتکفیر تک پہنچ جاتے ہیں، اور اکابر علماء کی شان میں بے ادبی کے مرتکب ہو جاتے ہیں، جس کے نتیجہ میں دیندار مسلمان آپس میں ٹکراتے ہیں، اور پھر خدا جانے کتنے صغیرہ، کبیرہ گناہوں میں مبتلا ہوتے ہیں (مجالسِ حکیم الامت، صفحہ ۶۸، ۶۹، مطبوعہ: دارالاشاعت، کراچی)

www,idaraghufran.org

مفتی صاحب موصوف ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ:

جس مسئلہ میں صحابہ وتابعین اور ائمہ مجتہدین کا اختلاف ہو، اس کی کوئی جانب شرعی حیثیت سے منکر نہیں کہلائے گی، کیونکہ دونوں آراء کی بنیاد قرآن وسنت اور ان کے مسلمہ اصول پر ہے، اس لیے دونوں جانبین داخلِ معروف ہیں، زیادہ سے زیادہ ایک کو راجح اور دوسرے کو مرجوح کہا جاسکتا ہے، اس لیے ان مسائل مجتہد فیہا میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ بھی کسی پر عائد نہیں ہوتا، بلکہ غیر منکر پر نکیر کرنا، خود ایک منکر ہے، یہی وجہ ہے کہ سلفِ صالحین کا بے شمار مسائل میں جواز وعدمِ جواز اور حرمت وحلت کا اختلاف ہونے کے باوجود کہیں منقول نہیں کہ ان میں سے ایک دوسرے پر اس طرح نکیر کرتا ہو، جیسے منکرات پر کی جاتی ہے، یا ایک دوسرے کو یا اس کے متبعین کو گمراہی یا فسق وفجور کی طرف منسوب کرتا ہو، یا اس کو ترکِ وظیفہ یا ارتکابِ حرام کا مجرم قرار دیتا ہو، حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے امام شافعی رحمہ اللہ کا جو قول نقل کیا ہے، وہ بھی اس پر شاہد ہے، جس میں فرمایا ہے کہ ایک مجتہد کو دوسرے مجتہد کا تخطیہ یعنی اس کو خطا وار مجرم کہنا جائز نہیں (جواہر الفقہ، جلد اول، ص ۴۰۸، ۴۰۹، مضمون ''وحدتِ امت'' مطبوعہ: مکتبہ دارالعلوم کراچی، طبع جدید: ذی الحجہ 1431ھ، نومبر 2010ء)

مفتی صاحب موصوف ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ:

''روکنے ٹوکنے کا معاملہ صرف اُن مسائل میں ہوگا، جو اُمت میں مشہور ومعروف ہیں، اور سب کے نزدیک متفق علیہ ہیں، اجتہادی مسائل، جن میں اُصولِ شرعیہ کے ماتحت رائیں ہوسکتی ہیں، ان میں روک ٹوک کا سلسلہ نہ ہونا چاہئے'' (معارف القرآن، ج ۲ ص ۱۴۲، سورہ آلِ عمران، آیت نمبر ۱۰۴، مطبوعہ: ادارۃ المعارف، کراچی، سنِ اشاعت: ذوالحجہ ۱۴۱۱ ہجری، جون 1991ء)

مفتی صاحب موصوف ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ:

''یہاں سے ایک بہت اہم اصولی بات واضح ہوگئی کہ جو اجتہادی اختلاف شرعی اجتہاد کی تعریف میں داخل ہے، اس میں اپنے اپنے اجتہاد سے جس امام نے جو جانب اختیار کرلی، اگرچہ عنداللہ اس میں صواب اور صحیح صرف ایک ہے، دوسرا خطاء ہے، لیکن یہ صواب وخطاء کا فیصلہ صرف حق تعالیٰ کے کرنے کا ہے، وہ محشر میں بذریعہ اجتہاد صواب پر پہنچنے والے عالم کو دوہرا ثواب عطا فرمائیں گے اور جس کے اجتہاد نے خطاء کی ہے، اس کو ایک ثواب دیں گے، اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو اجتہادی اختلاف میں یہ کہنے کا حق نہیں کہ یقینی طور پر یہ صحیح ہے، دوسرا غلط ہے۔ ہاں اپنی فہم وبصیرت کی حد تک ان دونوں میں جس کو وہ اقرب الی القرآن والسنہ سمجھے، اس کے متعلق یہ کہہ سکتا ہے کہ میرے نزدیک یہ صواب ہے، مگر احتمال خطاء کا بھی ہے اور دوسری جانب خطاء ہے، مگر احتمال صواب کا بھی ہے۔ اور وہ یہ بات ہے جو تمام ائمہ فقہاء میں مسلم ہے۔

اس سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ اجتہادی اختلاف میں کوئی جانب منکر نہیں ہوتی کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے ماتحت اس پر نکیر کیا جائے اور جب وہ منکر نہیں تو غیر منکر پر نکیر، خود امرِ منکر ہے، اس سے پرہیز لازم ہے۔

یہ وہ بات ہے جس میں آج کل بہت سے اہلِ علم بھی غفلت میں مبتلا ہیں، اپنے مخالف نظریہ رکھنے والوں پر تبرا اور سب وشتم سے بھی پرہیز نہیں کرتے، جس کا نتیجہ مسلمانوں میں جنگ وجدل اور انتشار واختلاف کی صورت میں جگہ جگہ مشاہدہ میں آرہا ہے، اجتہادی اختلاف بشرطیکہ اصول اجتہاد کے مطابق ہو، وہ تو ہرگز آیتِ مذکورہ لاتفرّقوا کے خلاف اور مذموم نہیں۔

البتہ اس اجتہادی اختلاف کے ساتھ جو معاملہ آج کل کیا جارہا ہے کہ اسی کی بحث

www.idaraghufran.org

ومباحثہ کو دین کی بنیاد بنالی گئی اور اس پر باہمی جنگ وجدل اور سب وشتم تک نوبت پہنچادی گئی، یہ طرزِ عمل بلاشبہ و لاتفرّقوا کی کھلی مخالفت اور مذموم اور سنت سلف، صحابہ وتابعین کے بالکل خلاف ہے، اسلافِ امت میں کبھی کہیں نہیں سنا گیا کہ اجتہادی اختلاف کی بنا پر اپنے سے مختلف نظریہ رکھنے والوں پر اس طرح نکیر کیا گیا ہو‘‘ (معارف القرآن، ج۲ ص۱۴۳، سورہ آلِ عمران، آیت نمبر۱۰۴، مطبوعہ: ادارة المعارف، کراچی، سنِ اشاعت: ذوالحجہ۱۴۱۱ ہجری، جون 1991ء)

مفتی صاحب موصوف ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ:

استنباط سے جو حکم فقہاء نکالیں گے، اس کے بارے میں قطعی طور پر یہ نہیں کہا جاسکتا کہ اللہ کے نزدیک قطعی طور پر یہی حق ہے، بلکہ اس حکم کے خطاء ہونے کا بھی احتمال باقی رہتا ہے، ہاں اس کے صحیح ہونے کا ظن غالب حاصل ہوجاتا ہے، جو عمل کے لیے کافی ہے (معارف القرآن، ج۲، ص۴۹۴، سورہ نساء، مطبوعہ: ادارة المعارف، کراچی، سنِ اشاعت: ذوالحجہ۱۴۱۱ ہجری، جون 1991ء)

اور مفتی صاحب موصوف ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ:

ائمہ مجتہدین جن کی شان اجتہاد علماء امت میں مسلم ہے، اگر کسی مسئلہ میں ان کے دو مختلف قول ہوں، تو ان میں سے کسی کو بھی منکر شرعی نہیں کہا جاسکتا، بلکہ اس کی دونوں جانبیں معروف میں داخل ہیں، ایسے مسائل میں ایک رائے کو راجح سمجھنے والے کے لیے یہ حق نہیں ہے کہ دوسرے پر ایسا انکار کرے، جیسا کہ گناہ پر کیا جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ صحابہ وتابعین میں بہت سے اجتہادی اختلافات اور متضاد اقوال کے باوجود یہ کہیں منقول نہیں کہ وہ ایک دوسرے پر فاسق یا گنہگار ہونے کا فتویٰ لگاتے ہوں، بحث وتمحیص اور مناظرے ومکالمے سب کچھ ہوتے تھے، اور ہر ایک اپنی رائے کی ترجیح کی وجوہ بیان کرتا اور دوسرے پر اعتراض کرتا تھا، لیکن

کوئی کسی کو اس اختلاف کی وجہ سے گناہ گار نہ سمجھتا تھا۔

خلاصہ یہ ہے کہ اجتہادی اختلاف کے موقع پر یہ تو ہر ذی علم کو اختیار ہے کہ جس جانب کو راجح سمجھے اسے اختیار کرے، لیکن دوسرے کے فعل کو منکر سمجھ کر اس پر انکار کرنے کا کسی کو حق نہیں ہے، اس سے واضح ہوا کہ اجتہادی مسائل میں جنگ و جدل، یا منافرت پھیلانے والے مقالات و مضامین امر بالمعروف یا نہی عن المنکر میں داخل نہیں، ان مسائل کو محاذِ جنگ بنانا، صرف ناواقفیت یا جہالت ہی کی وجہ سے ہوتا ہے (معارف القرآن، ج۳، ص۲۵۳و۲۵۴، سورہ مائدہ، ادارۃ المعارف، کراچی، اشاعت، اپریل، ۱۹۹۲)

مفتی صاحب موصوف ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ:

میرے نزدیک اس جنگ وجدل کا ایک بہت بڑا سبب فروعی اور اجتہادی مسائل میں تحزب وتعصب اور اپنی اختیار کردہ راہِ عمل کے خلاف کو عملاً باطل اور گناہ قرار دینا اور اس پر عمل کرنے والوں کے ساتھ ایسا معاملہ کرنا ہے، جو اہلِ باطل اور گمراہوں کے ساتھ کرنا چاہیے تھا (جواہر الفقہ، جلد اول، ص۱۴۱، مضمون ''وحدتِ امت'' مطبوعہ: مکتبہ دارالعلوم کراچی، طبع جدید: ذی الحجہ 1431ھ، نومبر 2010ء)

مفتی صاحب موصوف ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ:

صحابہ وتابعین اور ائمہ مجتہدین کے دور کی وہ تاریخ بھی سامنے رکھنا ضروری ہے کہ تعبیر کتاب وسنت کے ماتحت جو اِن میں اختلافِ رائے پیش آیا ہے، اس پوری تاریخ میں ایک واقعہ بھی ایسا نہیں کہ اس نے جنگ وجدال کی صورت اختیار کی ہو، باہمی اختلافِ مسائل کے باوجود ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھنا اور تمام برادرانہ تعلقات قائم رہنا اس پوری تاریخ کا اعلیٰ شاہکار ہے (جواہر الفقہ، جلد اول، ص۱۴۲، مضمون ''اختلافِ امت پر ایک نظر'' مطبوعہ: مکتبہ دارالعلوم کراچی، طبع جدید: ذی الحجہ 1431ھ،

www,idaraghufran.org

نومبر 2010ء)

اور مفتی صاحب موصوف ایک اور مقام پر فرماتے ہیں کہ:

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ تعبیر کتاب وسنت کے ماتحت اختلافِ رائے جو صحابہ وتابعین اور ائمہ مجتہدین میں رہا ہے، تو بلاشبہ رحمت ہی ہے، اس کا کوئی پہلو نہ مسلمانوں کے لیے مضر ثابت ہوا، اور نہ آج ہوسکتا ہے، بشرطیکہ وہ انہیں حدود کے اندر رہے، جن میں ان حضرات نے رکھا تھا کہ ان کا اثر نماز، جماعت، امامت اور معاشرت کے کسی معاملے پر نہ پڑتا تھا (جواہر الفقہ، جلد اول، ص۴۴۳، مضمون ''اختلافِ امت پر ایک نظر''مطبوعہ: مکتبہ دارالعلوم کراچی، طبع جدید: ذی الحجہ 1431ھ، نومبر 2010ء)

مذکورہ تفصیل سے آپ کے سوال کا جواب اچھی طرح معلوم ہوگیا، اور سوال میں بیان کردہ افراط وتفریط کے درمیان اعتدال کا راستہ بھی واضح ہوگیا۔

فَلِلّٰہِ الْحَمْدُ وَالشُّکْرُ . وَاللّٰہُ وَلِیُّ التَّوْفِیْقِ.

فقط

وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ

محمد رضوان خان

29/ جمادی الاخری/1441ھ 24/فروری/2020 بروز پیر

ادارہ غفران، راولپنڈی، پاکستان

www,idaraghufran.org

(ضمیمہ)

حاکم کے تکثیرِ جماعت وجمعہ سے منع کرنے پر حکم

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر کسی ہنگامی موقع پر، مثلاً جب گھروں سے باہر نکلنے میں دشمنوں کی طرف سے حملے کا خطرہ ہو، یا طاعون، یا دوسرے وبائی امراض پھیل جائیں، اور آپس کے اختلاط اور میل جول سے اسباب کے درجے میں امراض کے ایک سے دوسرے تک متعدی ہونے کے خدشات وخطرات ہوں، اور مسلمان حکمران کی طرف سے، جان ومال کی حفاظت، یا امراض کے متعدی ہونے کے سبب سے حفاظت کی خاطر، مساجد میں نماز باجماعت کو محدود کرنے، یا شہر میں جمعہ کے اجتماعات کو محدود کرنے کا حکم صادِر ہو، تو ایسی صورت میں عوام کے لیے کیا حکم ہوگا؟

اس کے جواب میں عرض ہے کہ فقہائے کرام نے یہ اصول بیان فرمایا ہے کہ اگر کوئی مسئلہ مجتہدین وفقہائے کرام کے درمیان مجتہَد فیہ ومختلف فیہ ہو، اور مجاز حاکم کی طرف سے کسی مجتہد وفقیہ کے قول کے مطابق حکم صادِر کردیا جائے، تو حاکم کی طرف سے وہ حکم، رافعِ اختلاف ہوا کرتا ہے، اور عوام کو اس پر عمل کرنے کا حکم ہوتا ہے۔

لہٰذا اگر مذکورہ، یا اس جیسے حالات میں حاکم کی طرف سے، مثلاً یہ حکم صادر کردیا جائے کہ مساجد میں پنج وقتہ نمازوں کو باجماعت طریقے پر، صرف امام ومؤذن اور خادم یا انتظامیہ وغیرہ کے مقامی محدود افراد، جو اس قسم کی وبائی بیماری میں مبتلا نہ ہوں، وہ ادا کریں، اور باقی لوگ اپنے اپنے گھروں میں نمازیں پڑھیں، تو چونکہ مذکورہ صورت میں شافعیہ وغیرہ کے قول کے مطابق، جس کی رُو سے جماعت سے نماز ادا کرنا فرض یا واجب علی الکفایہ ہے، اور اس قول کو بعض حنفیہ نے بھی اختیار کیا ہے، جیسا کہ گزرا۔

اس کے مطابق عوام کو عمل کرنے میں کوئی گناہ لازم نہیں آتا، اس لیے اس قول کے مطابق، حکمِ حاکم، رافعِ اختلاف ہوکر حجت شمار ہونے کی گنجائش ہے۔

اسی طرح اگر مذکورہ، یا اس جیسے حالات میں حاکم کی طرف سے، یہ حکم صادر کردیا جائے کہ شہر میں جگہ جگہ جمعہ کے اجتماعات نہ کیے جائیں، یا شہر میں کسی ایک جگہ جمعہ کے مناسب ومحدود اجتماع پر اکتفاء کیا جائے، اور باقی لوگ گھروں میں روزمرہ اور خواتین کی طرح ظہر کی نماز ادا کرلیں، تو چونکہ مذکورہ صورت میں حنفیہ کے ایک قول کے مطابق، جس کی رُو سے جمعہ کی نماز درست ہونے کے لیے اذنِ حاکم شرط ہے، یا ایک قول کی رُو سے شہر میں ایک ہی مقام پر جمعہ کی نماز قائم کرنے کا حکم ہے، اس کے مطابق عمل کرنے میں کوئی گناہ لازم نہیں آتا، تو اس قول کے مطابق بھی، حکمِ حاکم، رافعِ اختلاف ہوکر حجت شمار ہوسکتا ہے۔ [1]

---

[1] واشترطه الحنفية، إذن السلطان بذلك، أو حضوره، أو حضور نائب رسمى عنه، إذ هكذا كان شأنها على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم وفى عهود الخلفاء الراشدين.

هذا إذا كان ثمة إمام أو نائب عنه فى البلدة التى تقام فيها الجمعة، فإذا لم يوجد أحدهما، لموت أو فتنة أو ما شابه ذلك، وحضر وقت الجمعة كان للناس حينئذ أن يجتمعوا على رجل منهم ليتقدمهم فيصلى بهم الجمعة .

أما أصحاب المذاهب الأخرى فلم يشترطوا لصحة الجمعة أو وجوبها شيئا مما يتعلق بالسلطان، إذنا أو حضورا أو إنابة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ٢٧، ص١٩٧، مادة "صلاة الجمعة")

إذن السلطان لإقامة الجمعة :قال المالكية والشافعية، وهو الصحيح عند الحنابلة، إنه لا يشترط لصحة الجمعة إذن الإمام.وصرح المالكية والشافعية بأنه مندوب .ودليل ذلك أن عليا رضى الله عنه، عندما حوصر عثمان رضى الله عنه، أقام الجمعة من غير إذن ولا استئذان من عثمان رضى الله عنه، وكان ذلك بمحضر من الصحابة؛ ولأنها عبادة بدنية، لا يتوقف إقامتها على إذن.

وذهب الحنفية، وهو قول عند الحنابلة، إلى أن إذن الإمام شرط لصحة صلاة الجمعة؛ لأن ذلك هو المأثور عن الأئمة، والمتوارث عنهم، ولأن فى هذا دفعا للفتنة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ٣، ص١٥٥، مادة "استئذان")

لا يجوز عند جمهور الفقهاء إقامة جمعتين فى بلد واحد إلا لضرورة، كضيق المسجد، لأن الرسول صلى الله عليه وسلم والخلفاء بعده لم يقيموا سوى جمعة واحدة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ١٢، ص ٢٣٠، مادة "تعدد")

واختلفت الروايات فى إقامة الجمعة فى موضعين فى مصر واحد فالصحيح من قول أبى حنيفة ومحمد رحمهما الله تعالى أنه يجوز إقامة الجمعة فى مصر واحد فى موضعين وأكثر من ذلك

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www,idaraghufran.org

بدائع الصنائع میں ہے کہ:

اتبـاع الإمام فی محل الاجتهاد واجب، کاتباع القضاة فی مواضع الاجتهـاد والـلـه تعالی -عـز شـأنه -أعلم(بـدائع الـصـنـائع فی ترتیب الشرائع، ج۷،ص ۱۰۰، کتاب السیر)

ترجمہ: محلِ اجتہاد میں امام (یعنی امیر وحکمران) کی اتباع واجب ہے، جیسا کہ مواضعِ اجتہاد میں قاضیوں کی اتباع واجب ہے، واللہ تعالیٰ عز شانہٗ اعلم (بدائع الصنائع)

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

وعن أبی یوسف – رحمه الله تعالی – فیه روایتان فی إحدی الروایتین تجوز فی موضعین ولا تجوز فی أکثر من ذلک وفی الروایة الأخری لا یجوز إقامة الجمعة فی مصر واحد فی موضعین إلا أن یکون فی وسط المصر نهر عظیم کما هو ببغداد فحینئذ یکون کل جانب فی حکم مصر علی حدة (المبسوط للسرخسی، ج۲ص ۱۲۰، کتاب الصلاة، باب الجمعة)

قال أبو القاسم: هذا بلا خلاف إذا أذن الوالی أو القاضی ببناء المسجد الجامع وأداء الجمعة لأن هذا مجتهد فیه فإذا اتصل به الحکم صار مجمعا علیه(ردالمحتار، ج۲ص۱۳۸، کتاب الصلاة، باب الجمعة)

وأشار المصنف -رحمه الله تعالی -إلی أن الإمام إذا منع أهل المصر أن یجمعوا لم یجمعوا کما أن له یمصر موضعا کان له أن ینهاهم قال الفقیه أبو جعفر هذا إذا نهاهم مجتهدا بسبب من الأسباب وأراد أن یخرج ذلک المصر من أن یکون مصرا أما إذا نهاهم متعنتا أو إضرارا بهم فلهم أن یجمعوا علی رجل یصلی بهم الجمعة(البحر الرائق شرح کنز الدقائق، ج۲،ص۱۵۷،باب صلاة الجمعة)

وقال أصحابنا :لو مات سلطان ببلدة فولی أهلها أمیرا ینفذ الأحکام والحدود جاز، أو کان قاضیا حکم وصار سلطانا وقاضیا فی جماعتهم، ولو غلب علیه الخوارج فولوا رجلا من أهل العدل للقضاء جازت أحکامه.

وفی "الفتاوی الظهیریة :"الإمام إذا منع أهل المصر أن یجمعوا لم یجمعوا، قال الهندوانی :هذا إذا منع لسبب من الأسباب، أما إذا منعهم تعنتا أو إضرارا بهم یجوز أن یجتمعوا علی رجل یصلی بهم الجمعة، وقیاسهم علی سائر الصلوات فاسد، لأن الجمعة یشترط لها ما لم یشترط لغیرها من الصلوات مثل الخطبة والجماعة.

فإن قلت :هذا عبادة علی البدن فلا یکون السلطان شرطا فیها کما فی الحج والصوم.

قلت :هذا مبطل بإقامة الحد وانفراد الواحد بالحج لا یفوت علی غیره، وانفراد طائفة بإقامة الجمعة یفوت (علی) الباقین فافهم(البنایة شرح الهدایة، ج۳،ص ۵۱،باب صلاة الجمعة)

www,idaraghufran.org

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ ’’حجۃُ اللہ البالغۃ‘‘ میں فرماتے ہیں:

قال محمد فی أمالیہ: لو أن فقیہا قال لامرأتہ: أنت طالق ألبتۃ، وھو ممن یراھا ثلاثا، ثم قضی علیہ قاض بأنھا رجعیۃ، وسعہ المقام معھا، وکذا کل فصل مما یختلف فیہ الفقھاء من تحریم أو تحلیل أو إعتاق أو أخذ مال أو غیرہ، ینبغی للفقیہ المقضی علیہ الأخذ بقضاء القاضی ویدع رأیہ، ویلزم نفسہ ما ألزم القاضی، ویأخذ ما أعطاہ.

قال محمد رحمہ اللہ: وکذلک رجل لا علم لہ، ابتلی ببلیۃ، فسأل عنھا الفقھاء، فأفتوہ فیھا بحلال أو بحرام، وقضی علیہ قاضی المسلمین بخلاف ذلک، وھی مما یختلف فیہ الفقھاء، فینبغی لہ أن یأخذ بقضاء القاضی، ویدع ما أفتاہ الفقھاء (حجۃ اللہ البالغۃ للدھلوی، ج ۱ ص ۲۷۱، باب حکایۃ حال الناس قبل المائۃ الرابعۃ وبعدھا)

ترجمہ: امام محمد نے اپنی ’’أمالی‘‘ میں فرمایا کہ اگر کسی فقیہ نے اپنی عورت کو یہ کہا کہ ’’أنت طالق ألبتۃ‘‘ اور وہ فقیہ ان الفاظ سے تین طلاق کے واقع ہونے کی رائے رکھتا ہے، پھر اس کے متعلق کسی قاضی نے یہ فیصلہ کر دیا کہ یہ رجعی طلاق ہے، تو اس فقیہ کو اس عورت کے ساتھ قیام کرنا جائز ہے، اور یہی حکم ہر اس مسئلہ میں ہے، جس میں فقہاء کا اختلاف ہو، حرام یا حلال کا مسئلہ ہو، یا غلام و باندی کے آزاد ہونے کا مسئلہ ہو، یا مال وغیرہ لینے کا مسئلہ ہو، اس فقیہ کے لیے جس کے خلاف فیصلہ ہو، مناسب ہے کہ وہ قاضی کے فیصلہ کو اختیار کرے، اور اپنی رائے کو ترک کر دے، اور اپنے آپ پر اس چیز کا التزام کرے، جو قاضی نے لازم کیا ہے، اور جو قاضی اسے دے، وہ لے لے۔

www,idaraghufran.org

امام محمد رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اور اسی طریقہ سے اس شخص کا بھی حکم ہے، جس کو علم نہ ہو (یعنی وہ فقیہ نہ ہو) اور وہ کسی مسئلہ میں مبتلا ہو جائے، پھر وہ اس مسئلہ کے متعلق فقہاء سے سوال کرے، پھر فقہاء اس کو اس مسئلہ کے متعلق حلال یا حرام کا فتویٰ دے دیں، لیکن مسلمانوں کا قاضی اس کے متعلق اس کے خلاف فیصلہ کر دے، اور وہ مسئلہ ان مسائل میں سے ہو، جن میں فقہاء کا اختلاف ہے، تو اس عامی شخص کے لیے بھی قاضی کے فیصلہ کو لینا، اور فقہاء جس پر فتویٰ دیں، اس کو چھوڑ دینا مناسب ہے (حجۃ اللہ البالغۃ)

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ اپنی فارسی زبان کی تالیف ''ازالۃُ الخفاء'' میں فرماتے ہیں:

اطاعتِ خلیفہ لازم است بر مسلمین ہر چہ امر فرماید خلیفہ از مصالحِ اسلام واز آنچہ مخالفِ شرع نباشد، خواہ خلیفہ عادل باشد خواہ جائز واگر قوم در مذاہبِ فروع مختلف باشند وخلیفہ حکم فرماید بامرے کہ مجتہَد فیہ ست غیر مخالف کتاب وسنتِ مشہورہ واجماعِ سلف وقیاسِ جلی براصل واضح الثبوت لازم است سخنِ او شنیدن وبمقتضای قضائے اور فتن ہر چند موافقِ مذہبِ محکوم علیہ نباشد۔

وحرام ست خروج بر سلطان بعد از انکہ مسلمین بروی مجتمع شدند مگر آنکہ کفرِ بَوَاح از دی دیدہ شود، اگر چہ آں سلطان مستجمع شروط نباشد۔

ترجمہ: رعایا پر خلیفہ کی اطاعت لازم ہے، مصالحِ اسلام کے متعلق، خلیفہ جو کچھ حکم فرمائے، اور (نیز اس کا جو حکم) شرع کے مخالف نہ ہو (اس کی بجا آوری) مسلمانوں پر لازم ہے، خواہ خلیفہ عادل ہو یا ظالم، اور اگر لوگ مذہب کے فروعات میں مختلف ہوں، اور خلیفہ کسی ایسی بات کا حکم دے، جو اجتہادی ہے، اور کتاب اور سنتِ مشہورہ اور اجماعِ سلف کے مخالف نہیں ہے، اور (نیز) اس قیاسِ

جلی کے مخالف نہیں ہے، جو واضح الثبوت اصل پر مبنی ہے، تو خلیفہ کی اس بات کو سننا اور اس کے حکم کے موافق چلنا لازم ہے، اگرچہ (خلیفہ کا یہ حکم) اس شخص کے مذہب کے موافق نہ ہو (جس کو خلیفہ نے حکم دیا ہے)

کسی سلطان (کی حکومت) پر مسلمانوں کے متفق ہو جانے کے بعد اس سلطان سے بغاوت کرنا حرام ہے، اگرچہ وہ سلطان خلافت کی شرطوں کا جامع نہ ہو، مگر اس صورت میں کہ اس سے صریح کفر ظاہر ہو (ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء، مترجم: مولانا محمد عبدالشکور فاروقی، جلد۱، صفحہ ۳۱، مقصدِ اول، فصلِ اول: خلافتِ عامہ کا بیان، مسئلہ سوم: خلافت کے استحقاق کے شرائط، مطبوعہ: قدیمی کتب خانہ، کراچی)

علامہ ظفر احمد عثمانی صاحب رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

جبکہ امورِ انتظامیہ میں اختلاف ہو، اس کا حکم یہ ہے کہ اگر مسلمانوں کا کوئی امام ہو، اور مسلمانوں کی ایک جماعت اس کی اطاعت کر چکی ہو، تو امام کا اتباع اور اس جماعت کی موافقت واجب ہے، ان سے امورِ انتظامیہ میں الگ ہونا اور اس کی مخالفت کرنا جائز نہیں۔

البتہ اگر وہ احکامِ شرعیہ کی خلاف ورزی کریں، تو ایسے کاموں میں ان کی موافقت نہ کی جائے ''لانه لاطاعة لمخلوق فی معصية الخالق '' بلکہ خیر خواہی کے ساتھ ایسے امور میں بقدرِ استطاعت ان کی مخالفت کی جاوے، لیکن اس طور پر کہ ان کی مخالفت نہ کی جاوے کہ امام کا مقابلہ کرکے مسلمانوں کی جمعیت کا شیرازہ منتشر کیا جاوے (امداد الاحکام، ج۴، ص۴۸۳، کتاب المتفرقات ''رسالة التدقيق الاقوم فی تحقيق السواد الاعظم'' مطبوعۃ: دارالعلوم کراچی، طبعِ اول ۱۴۲۱ھ)

فقہائے کرام نے، جو کام معصیت نہ ہوں، ان میں حاکم کی اطاعت کا جو حکم فرمایا ہے، اس سے بھی اس مسئلے کی تائید ہوتی ہے، کیونکہ مجتہد فیہ مسئلے کی کوئی جانب بھی فی نفسہٖ معصیت نہیں

www,idaraghufran.org

ہوتی، جیسا کہ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کے حوالے سے گزرا، اور بھی کئی فقہائے کرام نے اس مسئلہ پر روشنی ڈالی ہے۔ [1]

اس مسئلہ کی تفصیل ہم نے اپنی دوسری تالیفات میں ذکر کردی ہے۔

تاہم حاکم کی طرف سے اس قسم کے احکام صادر کرنے سے پہلے مناسب ہے کہ وہ مستند فقہاء وعلماء اور اہلِ فن واہلِ تجربہ سے اس سلسلے میں مشاورت کرلے، اس کے بعد کوئی اجتماعی فیصلہ صادر کرے۔

اس کے علاوہ بعض اعذار ایسے ہیں، جن میں حکمِ حاکم کے بغیر جماعت اور جمعہ میں حاضری کا حکم ساقط ہوجاتا ہے، مثلاً شدید بارش، سخت ہوا، سخت سردی، یا راستوں میں نجاست وغیرہ، جس سے ایذاء پہنچتی ہو، یا مرض وبیماری وغیرہ۔ [2]

---

[1] قال فی الظهيرية :وهو تأويل ما روى عن أبى يوسف ومحمد فإنهما فعلا ذلک لأن هارون أمرهما أن يكبرا بتكبير جده ففعلا ذلک امتثالا له لا مذهبا واعتقادا قال فی المعراج لأن طاعة الإمام فيما ليس بمعصية واجبة اهـ ومنهم من جزم بأن ذلک رواية عنهما بل فی المجتبى وعن أبى يوسف أنه رجع إلى هذا ثم ذكر غير واحد من المشايخ أن المختار العمل برواية الزيادة أى زيادة تكبيرة فی عيد الفطر وبرواية النقصان فی عيد الأضحى عملا بالروايتين وتخفيفا فی عيد الأضحى لاشتغال الناس بالأضاحى .وقيل :تعجيلا لحق الفقراء فيها بقدر تكبيرة، وتمامه فی الحلية وحمل الشافعی جميع التكبيرات المروية عن ابن عباس على الزوائد، وهذا خلاف ما حملناه عليه والمذهب عندنا قول ابن مسعود، وما ذكروا من عمل العامة بقول ابن عباس لأمر أولاده من الخلفاء به كان فی زمنهم أما فی زماننا فقد زال فالعمل الآن بما هو المذهب عندنا كذا فی شرح المنية وذكر فی البحر أن الخلاف فی الأولوية ونحوه فی الحلية(رد المحتار على الدر المختار، ج ٢،ص ١٧٢ ،باب العيدين،مطلب تجب طاعة الإمام فيما ليس بمعصية)

[2] الأعذار التى تبيح التخلف عن صلاة الجماعة :منها ما هو عام، ومنها ما هو خاص .وبيان ذلک فيما يلى - :أولا :الأعذار العامة:

أ -المطر الشديد الذى يشق معه الخروج للجماعة، والذى يحمل الناس على تغطية رء وسهم.

ب -الريح الشديدة ليلا لما فی ذلک من المشقة.

ج -البرد الشديد ليلا أو نهارا، وكذلک الحر الشديد .والمراد البرد أو الحر الذى يخرج عما ألفه الناس أو ألفه أصحاب المناطق الحارة أو الباردة.

د -الوحل الشديد الذى يتأذى به الإنسان فی نفسه وثيابه، ولا يؤمن معه التلوث.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www,idaraghufran.org

اوران پر ایسے شدید وبائی امراض اور ہنگامی حالات کو بھی قیاس کیا جاسکتا ہے، جن کے بارے میں پہلے ذکر کیا گیا۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وعن أبی یوسف :سألت أبا حنیفة عن الجماعة فی طین وردغة فقال :لا أحب ترکها.
قال ابن عابدین :وفی شرح الزاهدی عن شرح التمرتاشی :اختلف فی کون الأمطار والثلوج والأوحال والبرد الشدید عذرا، وعن أبی حنیفة :إذا اشتد التأذی یعذر، وفی وجه عند الشافعیة - وهو مقابل الصحیح -أن الوحل لیس بعذر، والصحیح أنه عذر.
هـ -الظلمة الشدیدة، والمراد بها کون الإنسان لا یبصر طریقه إلی المسجد، قال ابن عابدین : والظاهر أنه لا یکلف إیقاد نحو سراج وإن أمکنه ذلک .والدلیل علی کون الأعذار السابقة من مطر وغیره تبیح التخلف عن الجماعة الأحادیث الواردة فی ذلک ومنها- :
ما روی أن ابن عمر -رضی الله تعالی عنهما -أذن بالصلاة فی لیلة ذات برد وریح فقال " :ألا صلوا فی الرحال، ثم قال :إن رسول الله صلی الله علیه وسلم کان یأمر المؤذن إذا کانت لیلة ذات برد ومطر یقول :ألا صلوا فی رحالکم وفی روایة :کان یأمر منادیه فی اللیلة الممطرة واللیلة الباردة ذات الریح أن یقول :ألا صلوا فی رحالکم .
عن عبد الله بن الحارث، عن عبد الله بن عباس :أنه قال لمؤذنه فی یوم مطیر :إذا قلت :أشهد أن لا إله إلا الله .أشهد أن محمدا رسول الله فلا تقل :حی علی الصلاة .قل :صلوا فی بیوتکم .قال: فکأن الناس استنکروا ذاک .فقال :أتعجبون من ذا؟ قد فعل ذا من هو خیر منی .إن الجمعة عزمة. وإنی کرهت أن أحرجکم، فتمشوا فی الطین والدحض (الموسوعة الفقهیة الکویتیة، ج۲۷، ص۱۸۷ ،مادة،صلاة الجماعة)
ثانیا: الأعذار الخاصة:
أ – المرض:
وهو المرض الذی یشق معه الإتیان إلی المسجد لصلاة الجماعة .قال ابن المنذر: لا أعلم خلافا بین أهل العلم: أن للمریض أن یتخلف عن الجماعات من أجل المرض، ولأن النبی صلی الله علیه وسلم لما مرض تخلف عن المسجد وقال: مروا أبا بکر فلیصل بالناس ، ومن ذلک کبر السن الذی یشق معه الإتیان إلی المسجد .
ب – الخوف:
وهو عذر فی ترک الجماعة –؛ لما روی ابن عباس – رضی الله عنهما – أن النبی صلی الله علیه وسلم قال: من سمع النداء، فلم یمنعه من اتباعه عذر، قالوا: وما العذر یا رسول الله؟ قال: خوف أو مرض، لم تقبل منه الصلاة التی صلی .
والخوف ثلاثة أنواع: خوف علی النفس، وخوف علی المال، وخوف علی الأهل.
الأول: أن یخاف علی نفسه سلطانا یأخذه، أو عدوا أو لصا أو سبعا أو دابة أو سیلا أو نحو ذلک

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www,idaraghufran.org

لیکن یہ بات پہلے ذکر کی جا چکی ہے کہ مساجد کو بالکلیہ معطل چھوڑنا جائز نہیں۔

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

مما يؤذيه فى نفسه، وفى معنى ذلك أن يخاف غريما له يلازمه، ولا شىء معه يوفيه؛ لأن حبسه بدين هو معسر به ظلم له .فإن كان قادرا على أداء الدين لم يكن عذرا له؛ لأنه يجب إيفاؤه.

ومن ذلك: الخوف من توقيع عقوبة، كتعزير وقود وحد قذف مما يقبل العفو .فإن كان يرجو العفو عن العقوبة إن تغيب أياما عن الجماعة كان ذلك عذرا .فإن لم يرج العفو أو كان الحد، مما لا يقبل العفو كحد الزنا لم يكن ذلك عذرا، وهذا كما يقول الشافعية والمالكية.

واختلف الحنابلة فيمن وجب عليه قصاص، فلم يعتبره بعضهم عذرا، واعتبره بعضهم عذرا إن رجا العفو مجانا أو على مال، وقال القاضى: إن كان يرجو الصلح على مال فله التخلف حتى يصالح .أما الحدود، فما كان حقا لآدمى كحد القذف فالصحيح عندهم أنه ليس عذرا فى التخلف، لكن ابن مفلح قال فى كتابه الفروع: ويتوجه فيه وجه: إن رجا العفو، قال فى شرح منتهى الإرادات: وجزم به فى الإقناع .

أما الحدود التى لا تقبل العفو فلا تعتبر عذرا .

الثانى: أن يخاف على ماله من ظالم أو لص، أو يخاف أن يسرق منزله أو يحرق منه شىء، أو يكون له خبز فى تنور أو طبيخ على نار، ويخاف حريقه باشتغاله عنه، أو يكون له غريم إن ترك ملازمته ذهب بماله، أو يكون له بضاعة أو وديعة عند رجل وإن لم يدركه ذهب، أو كانت عنده أمانة كوديعة أو رهن أو عارية مما يجب عليه حفظه، ويخاف تلفه بتركه .ويدخل فى ذلك الخوف على مال الغير .

الثالث: الخوف على الأهل: من ولد ووالد وزوج إن كان يقوم بتمريض أحدهم، فإن ذلك عذر فى التخلف عن الجماعة.

ومثل ذلك: القيام بتمريض الأجنبى إذا لم يكن له من يقوم بتمريضه، وكان يخشى عليه الضياع لو تركه، وقد ثبت أن ابن عمر – رضى الله تعالى عنهما – استصرخ على سعيد بن زيد، وهو يتجمر للجمعة، فأتاه بالعقيق، وترك الجمعة (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢٧، ص١٨٨ الىٰ ١٨٩ ،مادة،صلاة الجماعة)

المرض الذى يشق معه الحضور كمشقة المطر، وإن لم يبلغ حدا يسقط القيام فى الفرض، بخلاف المرض الخفيف كصداع يسير وحمى خفيفة فليس بعذر .ومثله تمريض من لا متعهد له ولو غير قريب ونحوه؛ لأن دفع الضرر عن الآدمى من المهمات، ولأنه يتألم على القريب أكثر مما يتألم بذهاب المال .وغير القريب كالزوجة والصهر والصديق والأستاذ.

ودليل عذر المرض: قوله تعالى: (وما جعل عليكم فى الدين من حرج)وأنه صلى الله عليه وسلم لما مرض تخلف عن المسجد، وقال: مروا أبا بكر فليصل بالناس ويعذر فى ذلك خائف حدوث المرض، لما روى ابن عباس: أن النبى صلى الله عليه وسلم فسر العذر: بالخوف والمرض .

فلا تجب الجماعة على مريض ومقعد وزمن ومقطوع يد ورجل من خلاف أو رجل فقط، ومفلوج

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www,idaraghufran.org

گھر میں فرض نماز پڑھنے اور اذان و اقامت کا طریقہ

یہ بھی ملحوظ رہے کہ ایسے علاقے میں گھر میں نماز پڑھنے والے کے لیے، جہاں محلے وعلاقے کی مساجد کی اذان سنائی دیتی ہو، وہاں گھر میں نماز پڑھنے والے کے لیے، خواہ وہ جماعت

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

وشيخ كبير عاجز وأعمى وإن وجد قائدا فى رأى الحنفية، ولا يعذر حينئذ عند الحنابلة والمالكية والشافعية فى ترك الجمعة دون الجماعة كما سيأتى.

2- أن يخاف ضررا فى نفسه أو ماله أو عرضه أو مريضا يشق معه الذهاب كما ذكر، بدليل ما روى ابن عباس رضى الله عنه: أن النبى صلى الله عليه وسلم قال: من سمع النداء، فلم يجبه، فلا صلاة له إلا من عذر، قالوا: يارسول الله، وما العذر؟ قال: خوف أو مرض.

فلا تجب الجماعة والجمعة بسبب خوف ظالم، وحبس معسر، أو ملازمة غريم معسر، وعرى، وخوف عقوبة يرجى تركها كتعزير لله تعالى، أو لآدمى، وقود (قصاص) وحد قذف مما يقبل العفو إن تغيب أياما، وخوف زيادة المرض أو تباطئه .فإن لم يتضرر المريض بإتيانه المسجد راكبا أو محمولا أو تبرع أحد بأن يركبه أو يحمله أو يقوده إن كان أعمى، لزمته عند الحنابلة والمالكية والشافعية الجمعة لعدم تكررها دون الجماعة .ولا تجب الجماعة والجمعة بسبب الخوف عن الانقطاع عن الرفقة فى السفر ولو سفر نزهة .أو بسبب الخوف من تلف مال كخبز فى تنور، وطبيخ على نار ونحوه، أو الخوف من فوات فرصة كالخوف من ذهاب شخص يدله على ضائع فى مكان ما.

3- المطر، والوحل (الطين) والبرد الشديد، والحر ظهرا، والريح الشديدة فى الليل لا فى النهار، والظلمة الشديدة، بدليل ما روى ابن عمر رضى الله عنه، قال: كنا إذا كنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم فى سفر، وكانت ليلة مظلمة أو مطيرة، نادى مناديه: أن صلوا فى رحالكم ، والثلج والجليد كالمطر(الفقه الاسلامى وادلتهٔ للزحيلى، ج۲ص ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، القسم الاول، الباب الثانى، الفصل العاشر،المبحث الاول، المطلب الاول)

(قوله ولا على من حال بينه وبينها مطر وطين) أشار بالحيلولة إلى أن المراد المطر الكثير كما قيده به فى صلاة الجمعة .وكذا الطين وفى الحلية، وعن أبى يوسف :سألت أبا حنيفة عن الجماعة فى طين وردغة، فقال :لا أحب تركها .وقال محمد فى الموطأ :الحديث رخصة، يعنى قوله -صلى الله عليه وسلم -إذا ابتلت النعال فالصلاة فى الرحال والنعال :هنا الأراضى الصلاب وفى شرح الزاهدى عن شرح التمرتاشى :واختلف فى كون الأمطار والثلوج والأوحال والبرد الشديد عذرا وعن أبى حنيفة :إن اشتد التأذى بعذر قال الحسن :أفادت هذه الرواية أن الجمعة والجماعة فى ذلك سواء ،ليس على ما ظنه البعض أن ذلك عذر فى الجماعة لأنها سنة لا فى الجمعة لأنها من

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www,idaraghufran.org

سے نماز پڑھے، اس کو اذان دینے کی تاکید نہیں، بلکہ اس کے لیے محلّہ کی اذان ہی کافی ہے، البتہ اگر اذان دے کر، اور اقامت کہہ کر نماز پڑھی جائے، تو بہتر ہے، تاکہ اذان واقامت کے ذریعے، جماعت کی مشابہت حاصل ہوجائے، خواہ گھر میں بغیر جماعت کے تنہا کوئی شخص نماز پڑھ رہا ہو، تب بھی اذان دینا بہتر ہے۔

اور گھر میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کی صورت میں، اقامت کہنا سنت ہے۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

آكد الفرائض اهـ وفي شرح الشيخ إسماعيل عن ابن الملقن الشافعي :والمشهور أن النعال جمع نعل :وهو ما غلظ من الأرض في صلابة، وإنما خصها بالذكر لأن أدنى بلل ينديها، بخلاف الرخوة فإنها تنشف الماء .وقيل النعال الأحذية (قوله وبرد شديد) لم يذكر الحر الشديد أيضا، ولم أر من ذكره من علمائنا، ولعل وجهه أن الحر الشديد إنما يحصل غالبا في صلاة الظهر، وقد كفينا مؤنته بسنية الإبراد، نعم قد يقال :لو ترك الإمام هذه السنة وصلى في أول الوقت كان الحر الشديد عذرا تأمل (قوله وظلمة كذلك) أي شديدة، في الظاهر أنه لا يكلف إلى إيقاد نحو سراج وإن أمكنه ذلك وأن المراد بشدة الظلمة كونه لا يبصر طريقه إلى المسجد فيكون كالأعمى.

(قوله وريح) أي شديد أيضا فيما يظهر تأمل؛ وإنما كان عذرا ليلا فقط لعظم مشقته فيه دون النهار (قوله وخوف على ماله) أي من لص ونحوه إذا لم يمكنه غلق الدكان أو البيت مثلا، ومنه خوفه على تلف طعام في قدر أو خبز في تنور تأمل، وانظر هل التقييد بماله للاحتراز عن مال غيره؟ والظاهر عدمه :لأن له قطع الصلاة له ولا سيما إن كان أمانة عنده كوديعة أو عارية أو رهن مما يجب عليه حفظه تأمل (قوله أو من غريم) أي إذا كان معسرا ليس عنده ما يوفي غريمه وإلا كان ظالما (قوله أو ظالم) يخافه على نفسه أو ماله(رد المحتار على الدر المختار، ج ا ،ص ٥٥٦،باب الإمامة)

[1] (قوله :لا لمصل في بيته في المصر) أي لا يكره تركهما له والفرق بينهما أن المقيم إذا صلى بدونهما حقيقة فقد صلى بهما حكما؛ لأن المؤذن نائب عن أهل المحلة فيهما فيكون فعله كفعلهم(البحر الرائق شرح كنز الدقائق، ج ا ،ص ٢٧٩ ،باب الأذان)

(فإن صلى في بيته في المصر يصلي بأذان وإقامة ليكون الأداء على هيئة الجماعة) ش: بالأذان والإقامة م :(وإن تركهما جميعا جاز) ش :أي وإن ترك المصلي في بيته الأذان والإقامة جميعا جاز، لأن مؤذن الحي نائب عن أهل المحلة في الأذان والإقامة لأنهم هم الذين نصبوه لها فكان أذانه وإقامته كأذان الكل وإقامتهم(البناية شرح الهداية، ج٢،ص ١١٦ ،باب الأذان)

وندب الأذان والإقامة للمسافر والمقيم في بيته(الفتاوى الهندية، ج ا ،ص ٥٣، كتاب الصلاة، الباب الثاني، الفصل الأول)

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www,idaraghufran.org

اور عام فرض نماز باجماعت کا ثواب، گھر وغیرہ میں دو افراد سے بھی حاصل ہو جاتا ہے، خواہ دوسرا فرد، عاقل، بالغ مرد ہو، یا سمجھدار بچہ ہو، یا ایک عورت ہو۔ [1]

پھر اگر دو مرد جماعت کے ساتھ نماز پڑھیں، خواہ ان میں ایک سمجھدار بچہ ہو، تو مقتدی کا امام کے دائیں جانب کھڑا ہونا سنت ہے۔

اور اگر ایک مرد ہو، اور دوسری عورت ہو، تو عورت، مرد امام کے پیچھے کھڑی ہوگی۔

اور اگر امام کے علاوہ دو یا زیادہ افراد ہوں، تو وہ حسبِ معمول امام کے پیچھے کھڑے ہوں گے۔

اور اگر امام کے علاوہ ایک مرد یا سمجھدار بچہ ہو، اور ایک عورت ہو، تو مرد یا بچہ، امام کے دائیں جانب کھڑا ہوگا، اور عورت، مرد کے پیچھے الگ کھڑی ہوگی۔

اور اگر مقتدی ایک سے زیادہ مرد، اور ایک سے زیادہ عورتیں ہوں، تو مرد اگلی صف میں کھڑے ہوں گے، اور عورتیں ان کے پیچھے الگ صف میں کھڑی ہوں گی۔ [2]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

ویکره أداء المكتوبة بالجماعة في المسجد بغير أذان وإقامة . كذا في فتاوى قاضي خان ولا يكره تركهما لمن يصلي في المصر إذا وجد في المحلة ولا فرق بين الواحد والجماعة . هكذا في التبيين والأفضل أن يصلي بالأذان والإقامة كذا في التمرتاشي وإذا لم يؤذن في تلك المحلة يكره له تركهما ولو ترك الأذان وحده لا يكره كذا في المحيط ولو ترك الإقامة يكره . كذا في التمرتاشي(الفتاوى الهندية، ج ۱، ص ۵۴، كتاب الصلاة، الباب الثاني، الفصل الأول)

[1] ويحصل فضل الجماعة بواحد ولو صبيا يعقل أو امرأة ولو في البيت مع الإمام وأما الجمعة فيشترط ثلاثة أو اثنان كما سنذكره(مراقي الفلاح شرح متن نور الإيضاح، ص ۱۰۹)

والجماعة في اللغة الفرقة المجتمعة وشرعا الإمام مع واحد سواء كان رجلا أو امرأة حرا أو عبدا أو صبيا يعقل أو ملكا أو جنيا في مسجد أو غيره وفي القنية الأصح أن إقامتها في البيت كإقامتها في المسجد وإن تفاوتت الفضيلة(حاشية الطحطاوي على مراقي الفلاح، ص ۸٦، باب الإمامة)

[2] إذا انعقدت الجماعة بأقل ما تنعقد به (واحد مع الإمام) فالسنة أن يقف المأموم عن يمين الإمام إذا كان رجلا أو صبيا يعقل.

فإن كانت امرأة أقامها خلفه، ولو كان مع الإمام اثنان، فإن كانا رجلين أقامهما خلفه، وإن كانا رجلا وامرأة أقام الرجل عن يمينه والمرأة خلف الرجل.

ولو كانت الجماعة كثيرة وفيهم رجال ونساء وصبيان قام الرجال في الصفوف الأولى

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www,idaraghufran.org

یہ بھی یاد رہے کہ عورت کا اذان دینا، اور مرد کی جماعت کے لیے عورت کا اقامت کہنا جائز نہیں۔

ایسی صورت میں جب ایک مرد ہو، اور دوسری عورت ہو، یا ایک سے زیادہ عورتیں ہوں، تو مرد کو جماعت سے پہلے، خود اقامت کہہ لینی چاہیے، اور پھر نماز پڑھانی چاہیے، جیسا کہ گھر میں تنہا نماز پڑھنے والے کو بھی خود اذان دے کر، اقامت کہہ لینا بہتر ہے۔ [1]

دفعِ وباء کے لیے اذان دینے کا حکم

یہ بھی ملحوظ رہے کہ وباء پھیلنے کے موقع پر، دفعِ وباء کی غرض سے اذان دینا، احادیث وسنت اور فقہائے کرام کی تصریحات سے ثابت نہیں، جس کو بعض اہلِ علم حضرات نے بدعت، اور بعض نے دوسری چیزوں پر قیاس کرتے ہوئے مستحب، جبکہ بعض نے بطور رقیہ وعلاج کے مباح وجائز قرار دیا ہے۔

ایسی صورت میں اگر پیچھے بیان کردہ مسئلہ کے مطابق، گھر میں نماز پڑھنے سے پہلے اذان دے دی جائے، خواہ تنہا نماز پڑھی جائے، یا جماعت کے ساتھ، تو اس سے بھی اذان کا مقصود حاصل

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

خلف الإمام، ثم قام الصبيان من وراء الرجال، ثم قام النساء من وراء الصبيان.

وفى جماعة النساء تقف التى تؤم النساء وسطهن.

ولا يجوز أن يتأخر الإمام عن المأمومين فى الموقف، ولا يكون موقف الإمام أعلى من موقف المقتدين (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٢٧، ص١٨٢، مادة، صلاة الجماعة)

[1] اتفق الفقهاء على عدم جواز أذان المرأة وإقامتها لجماعة الرجال، لأن الأذان فى الأصل للإعلام، ولا يشرع لها ذلك، والأذان يشرع له رفع الصوت، ولا يشرع لها رفع الصوت، ومن لا يشرع فى حقه الأذان لا يشرع فى حقه الإقامة.

وأما إذا كانت منفردة أو فى جماعة النساء ففيه اتجاهات.

الأول :الاستحباب .وهو قول المالكية والشافعية، وهى رواية عند الحنابلة.

الثانى :الإباحة .وهى رواية عن أحمد.

الثالث :الكراهة .وهو قول الحنفية (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج٦، ص٩، مادة، إقامة)

www,idaraghufran.org

ہوجاتا ہے، بلکہ اگر اقامت کہہ لی جائے، تو اس میں بھی اذان کے کلمات ادا ہوجاتے ہیں، اور مذکورہ مقصود حاصل ہوجاتا ہے، اور کسی اختلاف میں بھی پڑنے کی بھی ضرورت پیش نہیں آتی۔

اور آج کل جو وباء پھیلنے کے موقع پر بہت سے لوگوں کی طرف سے رات کے وقت مساجد میں لاؤڈ اسپیکر کے ذریعے، یا گھروں کی چھتوں پر بآوازِ بلند اذانیں دینے کا معمول ہوگیا ہے، جس سے علاقہ کے لوگوں کی نینداور آرام یا عبادات میں خلل واقع ہوتا ہے، یا لوگوں کو بلاوجہ کی تشویش لاحق ہوتی ہے، یہ طرزِ عمل فقہائے کرام میں سے کسی کے نزدیک بھی جائز نہیں، کیونکہ کسی کو تکلیف پہنچانا، اس عمل کو مباح ومستحب قرار دینے کی صورت میں بھی جائز نہیں۔

اور اذان کا مقصود، گھر میں کچھ آہستہ آواز میں اذان دینے سے بھی حاصل ہوجاتا ہے۔

بعض اوقات کم علمی یا جہالت کی وجہ سے نیک عمل کی شکل میں بھی گناہ لازم آجایا کرتا ہے، پس اس طرزِ عمل سے بچنے کی ضرورت ہے، جس سے دوسروں کو تکلیف پہنچے۔

جہاں تک پانچ نمازوں کی اذان پر زیرِ بحث اذان کو قیاس کرنے کا تعلق ہے، تو وہ قیاس صحیح نہیں، کیونکہ اولاً تو وہ شریعت کا منصوص حکم، بلکہ اسلام کا شعار ہے، جس میں فرض نماز کو اداء کرنے کا غائبین کے لیے اعلان کیا جاتا ہے۔

جبکہ مبحوث فیہ اذان نہ تو منصوص ہے، نہ ہی اس کا مقصود اور اس کا یہ درجہ ہے۔

دوسرے فرض نمازوں کے اوقات عموماً وعادتاً آرام کے نہیں ہوتے، دن کی نمازوں کی اذان کا معاملہ تو واضح ہے، اور رات کی اذان، عشاء کی ہوتی ہے، وہ بھی دراصل شام کا وقت ہے، یا رات کا ابتدائی وقت ہے، جس وقت عادتاً سویا نہیں جاتا، اور جہاں تک فجر کے وقت کی اذان کا معاملہ ہے، تو وہ شرعی اعتبار سے دن کا وقت ہے، اگر کوئی ان اوقات میں نماز ترک کرکے آرام کرتا ہے، تو وہ خود شریعت کے حکم کی خلاف ورزی کرتا ہے۔

جبکہ زیرِ بحث اذان کا یہ معاملہ نہیں، اور ہم نے جس اذان پر نکیر کی، وہ رات کے وقت نماز

www,idaraghufran.org

کے علاوہ لاؤڈ اسپیکر کے ذریعے، یا چھتوں پر بآوازِ بلند دی جانے والی اذان ہے۔
تیسرے نماز کے لیے دی جانے والی اذان کا مقصود اعلان واعلام ہے۔
جبکہ مبحوث فیہ اذان کا یہ مقصد نہیں، اسی وجہ سے فقہائے کرام نے اذان کے مقابلے میں اقامت میں حاضرین تک آواز پہنچنے کو کافی قرار دیا ہے، اور وہ اذان، جس کا تنہا نماز پڑھنے والے کو اپنے گھر پر دینے، یا چند نماز پڑھنے والے افراد کے لیے اذان دینے کا حکم ہے، اس میں بھی بقدرِ ضرورت آواز کو کافی قرار دیا ہے، جو اپنے آپ، یا موجودہ لوگوں تک پہنچ جائے۔ [1]
نیز وہ فقہائے کرام جنہوں نے ذکرِ جہری کو عام حالات میں مستحب قرار دیا ہے، انہوں نے بھی اس طرح سے ذکر وقرائت کو ناجائز قرار دیا ہے، جس سے عبادت یا آرام کرنے والوں، یا کام کاج میں مشغول لوگوں کو خلل واقع ہو، اور یہاں یہ شبہ کرنا درست نہیں کہ ذکر وقرائت

---

[1] أوجب الشافعية والحنابلة رفع الصوت بالأذان؛ ليحصل السماع المقصود للأذان، وهو كذلك رأى للحنفية، وهذا إذا كان الغرض إعلام غير الحاضرين بصلاة الجماعة، أما من يؤذن لنفسه أو لحاضر معه فلا يشترط رفع الصوت به إلا بقدر ما يسمع نفسه أو يسمعه الحاضر معه(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۲، ص۳۶۵، مادة "أذان")

ولكن رفع الصوت بالإقامة يكون أخف من رفعه بالأذان، لاختلاف المقصود فى كل منهما. فالمقصود من الأذان :إعلام الغائبين بالصلاة، أما الإقامة فالمقصود منها طلب قيام الحاضرين فعلا للصلاة(الموسوعة الفقهية الكويتية، ج۶، ص۸، مادة "إقامة")

ويسن رفع الصوت بالأذان لمنفرد فوق ما يسمع نفسه، ولمن يؤذن لجماعة فوق ما يسمع واحدا منهم، ويخفض صوته فى مصلى أقيمت فيه جماعة (الفِقهُ الإسلاميُّ وأدلَّتُهُ للزحيلى، ج۱، ص۷۰۴، القسم الاول، الباب الاول، الفصل الرابع، المبحث الاول، المطلب الرابع)

الذكر الثانى تأكد على الأول فى رفع الصوت ولا مزيد عليه(التجريد للقدورى، ج۱، ص۴۲۲، كتاب الصلاة)

ولأن الأذان لإعلام الغائبين...ولأن المقصود من الأذان الإعلام، وذلك برفع الصوت(المحيط البرهانى فى الفقه النعمانى، ج۱، ص۳۴۲، كتاب الصلاة، الفصل السادس عشر فى التغنى والألحان)

والمؤذن فى بيته يرفع دون ذلك فوق ما يسمع نفسه(رد المحتار على الدر المختار، ج۱، ص۳۹۰، باب الأذان)

سے مسلمان کو کیسے تکلیف پہنچ سکتی ہے؟ کیونکہ اس کا تعلق ایذاء اٹھانے والوں سے ہے، جن کی طرف سے ایذاء پہنچنے کا زبان سے اظہار کرنا ضروری نہیں، بلکہ اس کا دوسروں کے لیے ایذاء کا سبب ہونا کافی ہے، جبکہ اس میں جہر کا کوئی تاکیدی حکم بھی نہیں، برخلاف منصوص جہری چیزوں کے ''کالأذان للصلاۃ'' [1]

اور آج کل اس سلسلے میں افراط وتفریط اور اختلاف وانتشار کی وجہ سے زیرِ بحث اذان کا متبادل، غیر متنازع حل پیش کیا جاچکا ہے۔

اور آخری درجے میں عرض ہے کہ اگر کسی کو زیرِ بحث اذان دینے کا زیادہ ہی شوق ہو، تو وہ سنت سمجھے بغیر ایسے انداز میں دے سکتا ہے کہ جس سے کسی کو تکلیف نہ پہنچے، ایسی صورت میں وہ ہماری اس بحث سے خارج ہے، جس سے ہم نے منع کیا، یعنی رات کے وقت مساجد میں لاؤڈ اسپیکر کے ذریعے، یا گھروں کی چھتوں پر بآوازِ بلند اذان دینا، جس سے علاقہ کے لوگوں کی نیند اور آرام یا عبادات میں خلل واقع ہو، یا لوگوں کو بلاوجہ کی تشویش لاحق ہو، جس کی قیود لگا کر، ہم نے اس کا ذکر کیا ہے۔

لہٰذا اس کا مصداق وہی لوگ ہیں، جو اس طرزِ عمل کو اپنائیں، دوسروں کو اس کا مقصداق سمجھنا،

---

[1] (قوله ورفع صوت بذكر إلخ) أقول :اضطرب كلام صاحب البزازية فى ذلک؛ فتارة قال :إنه حرام، وتارة قال إنه جائز .وفى الفتاوى الخيرية من الكراهية والاستحسان :جاء فى الحديث به اقتضى طلب الجهر به نحو "وإن ذكرنى فى ملإ ذكرته فى ملإ خير منهم رواه الشيخان .وهناک أحاديث اقتضت طلب الإسرار، والجمع بينهما بأن ذلک يختلف باختلاف الأشخاص والأحوال كما جمع بذلک بين أحاديث الجهر والإخفاء بالقرائة ولا يعارض ذلک حديث خير الذكر الخفى لأنه حيث خيف الرياء أو تأذى المصلين أو النيام، فإن خلا مما ذكر؛ فقال بعضأهل العلم :إن الجهر أفضل لأنه أكثر عملا ولتعدى فائدته إلى السامعين، ويوقظ قلب الذاكر فيجمع همه إلى الفكر، ويصرف سمعه إليه، ويطرد النوم، ويزيد النشاط .اهـ .ملخصا، وتمام الكلام هناک فراجعه .

وفى حاشية الحموى عن الإمام الشعرانى :أجمع العلماء سلفا وخلفا على استحباب ذكر الجماعة فى المساجد وغيرها إلا أن يشوش جهرهم على نائم أو مصل أو قارء إلخ (ردالمحتار، ج ا ص ٦٦٠، كتاب الصلاة، باب مايفسد الصلاة ومايكره فيها، مطلب فى رفع الصوت بالذكر)

www,idaraghufran.org

اعتراض برائے اعتراض سے زیادہ اہمیت کا حامل معلوم نہ ہوا۔

اور اگر پھر بھی کسی کو ہماری بات سے اختلاف ہو، تو ہمارا اس سے کوئی نزاع و جھگڑا نہیں، ہم جس بات کو حق سمجھیں، اس رائے کو اپنی حسبِ حیثیت ظاہر کرنے اور بتلانے کے پابند ہیں، اور پھر بھی کسی کو اختلاف ہو، تو اس کے ذمہ ہے کہ وہ اس کے برخلاف دلائل کے ذریعے اپنے مدعا کو ثابت کرے، اور بلا دلیل محض اعتراض کر دینا، تو کوئی دلیل نہیں، نہ ہی ہم اپنی بات کے کسی کی فہم اور سمجھ سے بالاتر ہونے نہ ہونے کے مکلّف ہیں۔

فقط

وَاللّٰہُ سُبۡحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعۡلَمُ .

محمد رضوان خان

03/ شعبان المعظم/ 1441ھ 28/ مارچ/ 2020 بروز ہفتہ

ادارہ غفران، راولپنڈی، پاکستان

(ضمیمہ ثانیہ)

حاکم کے تکثیرِ جماعت سے منع کرنے پر جمعہ کا حکم

ملک میں موجودہ حالات کے پیشِ نظر ایک سوال کثرت سے یہ سامنے آتا ہے کہ اگر وباء وغیرہ کے پھیلنے کے موقع پر حاکم کی طرف سے تکثیرِ جماعت سے منع کردیا جائے، یعنی عام نمازوں اور جمعہ میں زیادہ لوگوں کو اکٹھا ہونے سے منع کردیا جائے، اور لوگوں کو گھروں میں رہ کر نمازیں پڑھنے کا حکم دیا جائے، جس کے نتیجے میں مساجد کے اندر چند افراد، فرض نماز اور جمعہ کی نماز قائم کریں، یعنی فرض نماز میں کم از کم دو افراد ہوں، اور جمعہ کی نماز میں حنفیہ کے راجح قول کے مطابق امام کے علاوہ کم از کم تین آدمی، جمعہ کے خطبہ کے شروع سے موجود ہوں، اور وہ تین آدمی ایسے ہوں، جو امامت کرسکیں، یعنی عاقل، بالغ مرد ہوں، تو جمعہ کی نماز صحیح ہوجاتی ہے، اور اس کے مطابق عمل کرنے کی گنجائش ہوتی ہے۔

ایسی صورت میں فرض نمازوں کو گھر پر تنہا، یا باجماعت پڑھنے کا مسئلہ تو واضح ہے۔

لیکن کیا ایسی صورت میں وہ لوگ جو شہروں کے اندر اپنے گھروں پر موجود ہوں، اور حنفیہ کے راجح قول کے مطابق امام کے علاوہ کم از کم تین عاقل، بالغ مرد ہوں، تو کیا ان کو اپنے گھروں میں جمعہ کی نماز قائم کرنا جائز ہے، یا نہیں؟

اس صورت میں حنفیہ کے نزدیک جو مشکل پیش آتی ہے، وہ ''اذنِ عام'' کی شرط سے متعلق

---

[1] أما بالنسبة لصلاة الجمعة فإن الجماعة شرط فى صحتها، فلا تصح بغير جماعة، وهذا باتفاق الفقهاء (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ٢٧، ص ١٦٧، مادة "صلاة الجماعة")

الثانى: الجماعة: قال فى البدائع: ودليل شرطيتها، أن هذه الصلاة تسمى جمعة، فلا بد من لزوم معنى الجمعة فيها، اعتبارا للمعنى الذى أخذ اللفظ منه . . . ولهذا لم يؤد رسول الله صلى الله عليه وسلم الجمعة إلا جماعة، وعليه إجماع العلماء (الموسوعة الفقهية الكويتية، ج ٢٧، ص ٢٠٢، مادة "صلاة الجمعة")

www,idaraghufran.org

ہے، جس کے بارے میں بعض اہلِ علم کی رائے یہ ہے کہ اپنے اپنے گھروں میں جمعہ کی نماز پڑھنے میں ''اذنِ عام'' کی شرط نہیں پائی جاتی، نیز اس طرح جگہ جگہ جمعہ کی نماز کا قائم کرنا، جمعہ کی نماز کا معروف ومعتاد طریقہ نہیں، جس کی وجہ سے یہ اہلِ علم حضرات شہروں میں جمعہ کے دن لوگوں کو گھروں پر روزمرہ کی طرح ظہر کی نماز پڑھنے کا حکم دیتے ہیں، اور جمعہ کی نماز کو ناجائز قرار دیتے ہیں۔

جبکہ بعض اہلِ علم حضرات مذکورہ صورت میں جمعہ کی نماز کو نہ صرف یہ کہ جائز، بلکہ واجب قرار دیتے ہیں۔

اس سلسلے میں ہمارا موقف یہ ہے کہ حنفیہ کے علاوہ دیگر ائمۂ ثلاثہ یعنی شافعیہ، مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک، تو جمعہ کی نماز صحیح ہونے کے لیے ''اذنِ عام'' کی شرط کا اعتبار ہی نہیں، اگرچہ ان کے نزدیک، جمعہ کی نماز صحیح ہونے کی دوسری شرائط ضروری ہیں، مثلاً یہ کہ مالکیہ کے نزدیک بارہ افراد، یا شافعیہ وحنابلہ کے نزدیک چالیس ایسے افراد کا ہونا، ضروری ہے، جو کہ وہاں کے مستقل باشندے ہوں، اور مالکیہ کے نزدیک، مسجد کا ہونا بھی ضروری ہے، جس کی تفصیل ہم نے اپنی تالیف ''جمعہ مبارکہ کے فضائل واحکام'' میں ذکر کردی ہے۔

اور جہاں تک حنفیہ کے نزدیک ''اذنِ عام'' کی شرط کا تعلق ہے، تو حنفیہ کی ''ظاہر الروایۃ'' میں اس شرط کا ذکر نہیں پایا جاتا۔ [1]

---

[1] كون الأمير أو نائبه هو الإمام، والإذن العام من الإمام بفتح أبواب الجامع للواردين عليه .اشترط الحنفية هذين الشرطين:

الأول ـ أن يكون السلطان ولو متغلباً أو نائبه، أو من يأذن له بإقامة الجمعة كوزارة الأوقاف الآن هو إمام الجمعة وخطيبها؛ لأنها تقام بجمع عظيم، وقد تقع منازعة فى شؤون الجمعة، فلا بد منه تتميماً لأمره، ومنعاً من تقدم أحد.

والثانى ـ الإذن العام :وهو أن تفتح أبواب الجامع ويؤذن للناس بالدخول إذناً عاماً، بأن لا يمنع أحد ممن تصح منه الجمعة عن دخول الموضع الذى تصلى فيه؛لأن كل تجمع يتطلب الإذن بالحضور، ولأنه لا يحصل معنى الاجتماع إلا بالإذن، ولأنها من شعائر الإسلام، وخصائص الدين، فلزم إقامتها على سبيل الاشتهار والعموم.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www,idaraghufran.org

البتہ ”نوادر“ کی ایک روایت میں ”اذنِ عام“ کے شرط ہونے کا ذکر پایا جاتا ہے، جس کو بعض مشائخِ حنفیہ، مثلاً صاحبِ کنز، وقایہ اور نقایہ اور ملتقی وغیرہ نے اختیار کیا ہے، اور کئی متاخرینِ حنفیہ کا رجحان اسی طرف ہے۔ [1]

لیکن چونکہ ایک تو حنفیہ کی ”ظاہرُ الروایۃ“ میں اس شرط کا ذکر نہیں پایا جاتا، دوسرے ائمۂ ثلاثہ غیرحنفیہ بھی اس شرط کا اعتبار نہیں کرتے، اور تیسرے خود بعض حنفیہ نے اس کی صراحت کی ہے کہ ”اذنِ عام“ کی شرط سے اصل مقصود یہ ہے کہ لوگوں کو خود بذاتِ خود نماز سے روکنا

﴿ گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ ﴾

ولم يشترط غير الحنفية هذين الشرطين، فلا يشترط إذن الإمام لصحة الجمعة، ولا حضوره؛ لأن علياً صلى بالناس، وعثمان محصور، فلم ينكره أحد، وصوبه عثمان ولأن الجمعة فرض الوقت، فأشبهت الظهر فى عدم هذين الشرطين (الفقه الاسلامى وادلتة للزحيلى، ج٢ص١٢٩٧، ١٢٩٨، الباب الثانى، الفصل العاشر، المبحث الثانى، المطلب الخامس)

(مسئله) يشترط عند ابى حنيفة رح لاداء الجمعة الاذن العام حتى لو ان واليا اغلق باب بلد وجمع بحشمه ومنع الناس من الدخول لا يصح الجمعة عنده خلافا لجمهور العلماء احتج ابن همام فى هذه المسألة باشارة قوله تعالى نودى للصلوة فان النداء يقتضى الاذن وهذا الاستدلال ضعيف فانه تعالى جعل النداء سببا لوجوب السعى الى الجمعة ولا يلزم منه كون النداء شرطا لادائها كما ان قوله تعالى إذا قرء القران فاستمعوا له وانصتوا يدل على وجوب الاستماع والإنصات عند قراءة القران لا على كون الاستماع والإنصات شرطا لجواز القراءة حتى لا يجوز قراءة الامام فى الصلاة والخطبة ان قرأ المقتدى والله تعالى اعلم (التفسير المظهرى، ج٩، ص٢٩٠، سورة الجمعة)

[1] واعلم أن هذا الشرط لم يذكر فى ظاهر الرواية ولذا لم يذكره فى الهداية بل هو مذكور فى النوادر ومشى عليه فى الكنز والوقاية والنقاية والملتقى وكثير من المعتبرات (رد المحتار على الدر المختار، ج٢، ص١٥٢، باب باب الجمعة)

الإذن العام يحصل بفتح باب الجامع وعدم المنع ولا مدخل فى غلق باب القلعة وفتحه ولأن غلق بابها لمنع العدو لا لمنع غيره تدبر وعند الأئمة الثلاثة لا يشترط الإذن العام (مجمع الأنهر فى شرح ملتقى الأبحر، ج١، ص١٦٦، باب صلاة الجمعة)

وإذا لم يشترط السلطان أو نائبه فلا معنى لاشتراط الإذن العام وكأنهم استغنوا بذكر السلطان عنه، على أنا قدمنا أن الإذن العام لم يذكر فى الظاهر (النهر الفائق شرح كنز الدقائق، ج١، ص٣٧٣، باب صلاة العيدين)

www.idaraghufran.org

مقصود ہو، جس کی وجہ سے بہت سے ایسے لوگوں کے ذمے، جمعہ کی نماز کا وجوب باقی رہ جائے، جن پر جمعہ کی نماز واجب ہو، اور تعددِ جمعہ کی صورت میں ایسا نہیں ہوتا۔ [1]

اور یہ بات ظاہر ہے کہ مذکورہ صورتِ حال میں دوسرے لوگوں کو نمازِ جمعہ سے روکنا مقصود نہیں ہے، نہ ہی حکومت کی طرف سے گھروں وغیرہ میں نمازِ جمعہ قائم کرنے سے منع کیا گیا ہے، بلکہ ایک خاص حالت کی وجہ سے تکثیر اور مجمع کے زیادہ ہونے سے روکنا مقصود ہے۔

ایسی صورت میں جب مذکورہ حکم پر اپنے اپنے یہاں رہتے ہوئے لوگ، تکثیر اور مجمع کے زیادہ ہونے سے بچتے ہوئے عمل کریں گے، تو ظاہر ہے کہ کسی کو بھی بذاتِ خود، جمعہ سے روکنا مقصود نہیں ہوگا، اور جب اذنِ عام کو شرط قرار دیا جائے گا، تو ظاہر ہے کہ کسی مسجد میں بھی دروازے کھولے اور اجازتِ عام دیئے بغیر نمازِ جمعہ جائز نہ ہوگا، اور اس طرح پھر لوگوں کا مجمع زیادہ ہوگا، اور تقلیلِ مجمع کے مقصود پر عمل نہ ہو سکے گا۔

پس ایسی صورت میں ہمارا رجحان اس طرف ہوا کہ جن لوگوں میں حنفیہ کے نزدیک جمعہ کی نماز صحیح اور واجب ہونے کی دیگر شرائط پائی جائیں، صرف ''اذنِ عام'' کی مذکورہ طریقے پر شرط نہ پائی جائے، تو اس کی وجہ سے جمعہ کے فریضے کو ساقط قرار دینا، بہرحال خلافِ احتیاط ہے، اِلَّا یہ کہ جہاں جمعہ کی دیگر مسلّمہ شرائطِ صحت موجود نہ ہوں، مثلاً امام کے علاوہ تین عاقل، بالغ افراد بھی موجود نہ ہوں، وہاں کا معاملہ جدا ہے، ان کو بہرحال ظہر کی نماز پڑھنی چاہیے۔

لیکن ہمارے نزدیک ایسی صورت میں ایسے لوگوں کو، جو کم از کم چار عاقل، بالغ مرد افراد ہوں، اپنے گھروں وغیرہ میں جمعہ کی نماز قائم کرنا، جائز و درست ہے، اور احتیاط کا تقاضا بھی

---

[1] قلت: وينبغي أن يكون محل النزاع ما إذا كانت لا تقام إلا في محل واحد، أما لو تعددت فلا لأنه لا يتحقق التفويت كما أفاده التعليل تأمل (رد المحتار على الدر المختار، ج ٢، ص ١٥٢، باب باب الجمعة)

امداد الفتاویٰ میں ہے کہ:

اذنِ عام ہونا بھی منجملہ شرائطِ صحتِ جمعہ ہے، جس کے معنیٰ یہ ہیں کہ خود نماز پڑھنے والے کو روکنا وہاں مقصود نہ ہو، باقی اگر روک ٹوک کسی اور ضرورت سے ہو، وہ اذنِ عام میں مخل نہیں (امداد الفتاویٰ ج اص ۶۱۲)

www,idaraghufran.org

یہی ہے کہ ان پر جمعہ کی نماز کو واجب قرار دیا جائے، کیونکہ جمعہ کی فرضیت مسلّمہ اور متفق علیہ ہے، جس کے مقابلے میں ’’اذنِ عام‘‘ کی مذکورہ نوعیت کے مطابق شرط کی وہ اہمیت نہیں، جو جمعہ کی نماز فرض یا واجب ہونے کی اہمیت ہے۔

البتہ ایسی صورت میں احتیاط کا تقاضا یہ ہوگا کہ مذکورہ افراد، جمعہ کی نماز پڑھنے کے بعد چار رکعت ’’احتیاطُ الظهر ‘‘ کے نام سے بھی ادا کرلیں، تاکہ اختلاف واشتباہ سے بھی حفاظت ہوجائے، جیسا کہ آگے آتا ہے۔

جہاں تک اس شبہ کا تعلق ہے کہ مذکورہ صورت میں جگہ جگہ گھروں وغیرہ میں جمعہ کی نماز قائم کرنا، معروف ومعتاد طریقہ نہیں، تو اس شبہ سے جمعہ کے مذکورہ حکم پر کوئی فرق واقع نہیں ہوتا، کیونکہ جب فقہائے کرام کی بیان کردہ شرائط موجود ہوں، تو وہ جوازِ جمعہ کے لیے کافی ہیں۔

اور مخصوص حالات میں معروف ومعتاد طریقہ کی خلاف ورزی سے کوئی گناہ لازم نہیں آیا کرتا، کیونکہ یہ ایک مخصوص اور معروضی حالات کا حکم ہے، جس کو عام حالات پر قیاس کرنا مناسب نہیں ہوا کرتا، جیسا کہ اس قسم کے مخصوص اور معروضی حالات میں روزمرہ کی فرض نمازوں کا طریقہ بھی معروف ومعتاد نہیں، بلکہ خود جمعہ کے دن، جمعہ کی فرض نماز کو ترک کراکر روزمرہ کی طرح ظہر کی نماز کا حکم دینا، ہمارے خیال میں فقہی اعتبار سے زیادہ غیر معروف اور غیر معتاد طریقہ ہے، جب روزمرہ کی پانچ وقت کی فرض نمازوں میں اس کو گوارا کیا جاتا ہے، تو جمعہ کی نماز میں گوارا کرنے میں کون سی چیز مانع ہے۔

فقہائے کرام کی تصریح کے مطابق جس جگہ جمعہ کی نماز کے بارے میں مجتہدین کا اختلاف ہو، وہاں اختلاف سے خروج کے لیے جمعہ کی نماز کے بعد چار رکعات اس دن کے ظہر کی نیت سے پڑھ لینے میں احتیاط ہے، پھر اگر جمعہ کی نماز صحیح ادا ہوگئی، تو وہ چار رکعات نفل ہوجائیں

www,idaraghufran.org

گی، اور اگر بالفرض ایسا نہ ہو، تو وہ فرضوں کی طرف سے کفایت کر جائیں گی۔ [1]

بلکہ علامہ ابنِ عابدین شامی رحمہ اللہ نے یہ بھی تصریح فرمائی ہے کہ اگر کسی گاؤں میں امام شافعی رحمہ اللہ کے مذہب کے مطابق، جمعہ کی نماز قائم ہو، تو اس میں شریک ہوجانا چاہیے، اور پھر ''احتیاطُ الظهر'' پڑھ لینی چاہیے۔ [2]

---

[1] ثم فی كل موضع وقع الشک فی كونه مصر أو أقام أهل ذلک الموضع الجمعة بشرائطها، فينبغی لأهل ذلک الموضع أن يصلوا بعد الجمعة أربع ركعات وينوون بها الظهر احتياطا، حتى أنه لو لم تقع الجمعة موقعها يخرجون عن عهدة فرض الوقت بأداء الظهر بيقين(المحيط البرهانی فی الفقه النعمانی، ج۲،ص۶۶، كتاب الصلاة،الفصل الخامس والعشرون فی صلاة الجمعة)

وإذا اشتبه على الإنسان ذلک ينبغی أن يصلی أربعا بعد الجمعة ينوی بها آخر فرض أدركت وقته ولم أؤده بعد، فإن لم تصح الجمعة وقعت ظهره وإن صحت كانت نفلا، وهل تنوب عن سنة الجمعة؟ قدمنا الكلام فی باب شروط الصلاة فارجع إليه.

وكذا إذا تعددت الجمعة وشک فی أن جمعته سابقة أو لا ينبغی أن يصلی ما قلنا(فتح القدير،لابن الهمام، ج۲،ص۵۳، كتاب الصلاة،باب صلاة الجمعة)

[2] لو حضر رجل فی قرية تقام بها الجمعة على مذهب الشافعي يحضر معهم لئلا يظن به السوء لاعتقادهم فرضيتها أو جهلهم بحكم مذهبه وينوی صلاة الإمام ويصلی الظهر أيضا قبلها أو بعدها....والاحتياط فی القرى أن يصلی السنة أربعا، ثم الجمعة، ثم ينوی أربعا سنة الجمعة، ثم يصلی الظهر، ثم ركعتين سنة الوقت فهذا هو الصحيح المختار اهـ .ملخصا ونقل العبارة بتمامها فی الفتاوى الخيرية فراجعها (منحة الخالق،ج۲،ص۱۵۳،باب صلاة الجمعة)

هو مبنی على أن ذلک الاحتياط أی الخروج عن العهدة بيقين لتصريحه بأن العلة اختلاف العلماء فی جوازها(منحة الخالق،ج۲،ص۱۵۴،باب صلاة الجمعة)

وإذا وقع الشک فی صحة أداء الجمعة لفقد بعض الشرائط، ينبغی أن يصلی بعد الجمعة أربع ركعات احتياطا، ولو بالحرمين الشريفين، وينوی ظهر يومه، أو آخر ظهر عليه۔وهو أحسن۔لأنه إن لم تجزیء الجمعة فعليه الظهر، وإن أجزأت كانت الأربع عن ظهر عليه إن كان عليه، وإلا فيقع نفلا .والأحوط أن يقول :نويت آخر ظهر أدركت وقته ولم أصله بعد .لأن ظهر يومه إنما يجب عليه بآخر الوقت ، ولأنه يفيد الترتيب أيضا .والأصح أن يقرأ بالفاتحة والسورة فی أربع احتياطا لاحتمال أن يكون نفلا .وكذا من يقضی الصلوات احتياطا(شرح النقاية، ج۱،ص۴۸۶،باب فی صلاة الجمعة،فصل فی شروط وجوب الجمعة)

ثم كل موضع وقع الشک فی جواز الجمعة بتفويت شرطها ينبغی أن يصلی أربع ركعات وينوی بها الظهر ليخرجوا عن فرض الوقت بيقين لو لم تقع الجمعة موقعها كما فی الكافی.

وفی القنية عن بعض المشايخ لما ابتلى أهل مرو بإقامة جمعتين مع اختلاف العلماء فی جوازها

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www,idaraghufran.org

البتہ بعض حضرات نے اس حکم کو عوام میں فتنہ وفساد لازم آنے کی صورت میں خواص تک محدود رہنے کا حکم لگایا ہے، جس کے بعد بعض اردو فتاویٰ میں ''احتیاطُ الظھر'' سے بہرحال منع کردیا گیا، اور اس طرح اس کے تجویز ہونے کی علت سے توجہ ہٹ گئی۔

جس کی وجہ سے مخصوص حالات میں بھی ''احتیاطُ الظھر'' کے حکم کی تجویز کو شاید ہمارے دیار کے اہلِ افتاء کا ایک طبقہ، جمود کے اس دور میں، قبول کرنے کے لیے تیار نہ ہو۔ [1]

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

أمرهم أئمتهم بأداء الأربع بعد الظهر حتما احتياطا ثم اختلفوا في نيتها فالأحسن والأحوط أن يقول: اللهم إني أريد آخر ظهر أدركت وقته ولم أصله بعد لأن ظهر يومه إنما يجب عليه بآخر الوقت كما في المطلب(مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر، ج ا ،ص۱۶۷ ،باب صلاة الجمعة)

ثم في كل موضع وقع الشك في جواز الجمعة لوقوع الشك في المصر أو غيره وأقام أهله الجمعة ينبغي أن يصلوا بعد الجمعة أربع ركعات وينووا بها الظهر حتى لو لم تقع الجمعة موقعها يخرج عن عهدة فرض الوقت بيقين، كذا في الكافي، وهكذا في المحيط ثم اختلفوا في نيتها قيل : ينوي آخر ظهر عليه وهو الأحسن والأحوط أن يقول :نويت آخر ظهر أدركت وقته ولم أصله بعد، كذا في القنية(الفتاوى الهندية، ج ا ،ص ۱۴۵ ،كتاب الصلاة ،الباب السادس عشر في صلاة الجمعة)

قالوا في كل موضع وقع الشك في جواز الجمعة ينبغي أن يصلي أربع ركعات بنية آخر ظهر أدركت وقته ولم يسقط عني بعد حتى إن صحت الجمعة وكان عليه ظهر يسقط عنه وإلا فنفل ، والأولى أن يصلي بعد الجمعة سنتها ثم الأربع بهذه النية ثم ركعتين بنية سنة الوقت فإن صحت الجمعة يكون قد أدى سنتها على وجهها وإلا فقد صلى الظهر مع سنته(منية المصلي وغنية المبتدي، ص ۲۹۹)

وسن صلاة الظهر احتياطا، فالاحتياط لمن صلى ببلد تعددت فيه الجمعة لحاجة، ولم يعلم سبق جمعته :أن يعيدها ظهرا، خروجا من خلاف من منع التعدد، ولو لحاجة .وينوي آخر ظهر بعد صلاة الجمعة أو ينوي الظهر احتياطا، خروجا عن عهدة فرض الوقت بأداء الظهر(الفقه الاسلامي وادلتهٔ للزحيلي، ج۲ ص ۱۳۰۰ ، الباب الثاني، الفصل العاشر ،المطلب الخامس۔ شروط صحة الجمعة)

[1] قلت: على أنه لو سلم ضعفه فالخروج عن خلافه أولى فكيف مع خلاف هؤلاء الأئمة، وفي الحديث المتفق عليه فمن اتقى الشبهات استبرأ لدينه وعرضه ولذا قال بعضهم فيمن يقضي صلاة عمره مع أنه لم يفته منها شيء لا يكره لأنه أخذ بالاحتياط .وذكر في القنية أنه أحسن إن كان في صلاته خلاف المجتهدين ويكفينا خلاف من مر ونقل المقدسي عن المحيط: كل موضع وقع الشك في كونه مصرا ينبغي لهم أن يصلوا بعد الجمعة أربعا بنية الظهر احتياطا حتى إنه لو لم تقع الجمعة موقعها يخرجون عن عهدة فرض الوقت بأداء الظهر، ومثله في الكافي وفي القنية لما ابتلي

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www,idaraghufran.org

”احتیاطُ الظهر “ کا حکم، اختلاف سے بچنے یا خروج عن الاختلاف کے اصول پر مبنی ہے، جس کی فقہائے کرام نے تصریح فرمائی ہے۔

چنانچہ علامہ ابنِ نجیم ”البحرُ الرائق “ میں فرماتے ہیں:

والخروج من الخلاف مستحب عندنا (البحر الرائق شرح كنز الدقائق، ج ١، ص ٥٢، كتاب الطهارة، فرائض الغسل)

ترجمہ: اور اختلاف سے خروج ہمارے نزدیک مستحب ہے (البحرالرائق)

علامہ حموی رحمہ اللہ ”الاشباہ و النظائر “ کی شرح میں فرماتے ہیں:

قد نصوا على أن الخروج من الخلاف مندوب إليه (غمز عيون البصائر في شرح الأشباه والنظائر، ج ٢، ص ٦٣، كتاب الزكاة)

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

أهل مرو بإقامة الجمعتين فيها مع اختلاف العلماء في جوازهما أمر أئمتهم بالأربع بعدها حتما احتياطا .اهـ .ونقله كثير من شراح الهداية وغيرها وتداولوه وفي الظهيرية: وأكثر مشايخ بخارى عليه ليخرج عن العهدة بيقين .ثم نقل المقدسي عن الفتح أنه ينبغي أن يصلي أربعا ينوي بها آخر فرض أدركت وقته ولم أؤده إن تردد في كونه مصرا أو تعددت الجمعة، وذكر مثله عن المحقق ابن جرباش.

قال ثم قال: وفائدته الخروج عن الخلاف المتوهم أو المحقق وإن كان الصحيح صحة التعداد فهي نفع بلا ضرر ثم ذكر ما يوهم عدم فعلها ودفعه بأحسن وجه .وذكر في النهر أنه لا ينبغي التردد في ندبها على القول بجواز التعدد خروجا عن الخلاف اهـ وفي شرح الباقاني هو الصحيح .وبالجملة فقد ثبت أنه ينبغي الإتيان بهذه الأربع بعد الجمعة، لكن بقي الكلام في تحقيق أنه واجب أو مندوب قال المقدسي: ذكر ابن الشحنة عن جده التصريح بالندب، وبحث فيه بأنه ينبغي أن يكون عند مجرد التوهم، أما عند قيام الشك والاشتباه في صحة الجمعة فالظاهر الوجوب، ونقل من شيخه ابن الهمام ما يفيده وبه يعلم أنها هل تجزى عن السنة أم لا؟ فعند قيام الشك لا وعند عدمه نعم، ويؤيد التفصيل تعبير التمرتاشي ب لا بد وكلام القنية المذكور اهـ وتمام تحقيق المقام في رسالة المقدسي وقد ذكر شذرة منها في إمداد الفتاح، وإنما أطلنا في ذلك لدفع ما يوهمه كلام الشارح تبعا للبحر من عدم فعلها مطلقا.

نعم إن أدى إلى مفسدة لا تفعل جهارا والكلام عند عدمها ولذا قال المقدسي نحن لا نأمر بذلك أمثال هذه العوام بل ندل عليه الخواص ولو بالنسبة إليهم اهـ والله تعالى أعلم (ردالمحتار، ج ٢ ص ١٤٥، ١٤٦، كتاب الصلاة، باب الجمعة)

www,idaraghufran.org

ترجمہ: فقہاء نے اس بات کی صراحت فرمائی ہے کہ اختلاف سے خروج مندوب و مستحب ہے (غمز)

ملا علی قاری حنفی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

یستحب فی مذهبنا الخروج من الخلاف فإنه احتياط فی الدين

(مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح، ج٢، ص ٤١١، كتاب الطهارة، باب سنن الوضوء)

ترجمہ: ہمارے مذہب میں اختلاف سے خروج مستحب ہے، کیونکہ اس میں دین کی احتیاط پائی جاتی ہے (مرقاۃ)

سابق مفتی دیارِ مصر علامہ محمد بخیت المطیعی حنفی ''المتوفی: 1354 ہجری''
(سابق رئيس: المجلس العلمی بمحكمة مصر الكبرىٰ الشرعية ، وعضو المحكمة العليا بها سابقا) اپنے رسالہ ''احسن القرا فی صلاة الجمعة فی القریٰ'' میں فرماتے ہیں:

صلاة الظهر بعدها: فقال الشافعية يصلی الظهر بعدها احتياطا على تفصيل ذكروه فی كتبهم ، وقد قال به ايضا متاخرو الحنفية ، وامروا به احتياطا ، لاختلاف الائمة فی اشتراط المصر وعدمه ،وفی تعريف المصر ، و جواز التعدد وعدمه ، وفی العدد الذی تنعقد به، وفی اشتراط اذن السلطان او نائبه باقامتها وعدمه.

ومن هذا كله تعلم جواب السؤال وان المقطوع به المتفق عليه هو كون الجمعة فرضا ، لايجوز تركها ، ويكفر جاحدفرضيتها، وانها من شعائر الاسلام .

وان كل موضع اختلفوا فيه سواء كان من شروطها او من غيرها،

فادلته ظنية، فكان دليل الفرض قطعيا ، ودليل الاشتراط ظنيا.

ولا يخفى ان اشتراط المصر واذن الحاكم ليس لامرلا توجد الجمعة بدونه، اذ لا ملائمة بين ذلک وبين صلاة الجمعه ، وانما اشتراط اذن الحاكم لمنع التنازع على ما قالوا، واشتراط المصر لبيان الموضع الذين امرنا باقامة الجمعة فيه.

ولا يخفى ايضاً ان الله تعالىٰ قدر من رحمته وفضله ان كل ما ادى اليه رأى المجتهد فى محله على وجه فهو شريعة له تعالىٰ فى حق المجتهد. وكل من عمل به يكون العمل به طاعة وعبادة صحيحة ، وان اخطأ ذلک المجتهد فانما يكون خطأه بالنظر الى ما هو عندالله من الحكم، لابالنظر الى عامنا وما ادى اليه اجتهاده بل هو بالنظر الى ذلک صواب بالاجماع.

وتعلم ايضا ان الاحوط للمكلف اذا اراد ان يخرج من عهدة ما كلف به بيقين ويكون آتيا بالفرض على جميع المذاهب ان يصلى الجمعة فى كل موضع بقول امام مجتهد لوجوبها فيه، ولو كان قرية صغيرة جداً وان يصلى الظهر بعدها ينوى به فرض اليوم فى كل موضع قال فيه امام مجتهد بعدم وجوبها فيه ، او عدم صحتها لفقد شرط ، او غير ذلک، وذلک لما قلنا ان الجمعة فريضة قطعية ، لايجوز تركها ولاجحدها ولا التهاون فيها، والدليل على ذلک قطعى ، وما عداه مما جرى فيه الخلاف ظنى.

وقد قدمنا لک ما قاله فى فتاوىٰ الحجة. ان الاحتياط فى القرى الصغيرة ان يصلى الجمعة ثم اربعا سنتها ، ثم ركعتين سنة الوقت

، ثـم الاربع ، الخ، ما سبق نقله ، ومراده الاربع التی ینوی بها ظهر الیوم کما سبق.

الا اننـا نـقـول ان صـلاة الـظهـر بعدها احتیاطا لایختص بالقری الـصـغیـرة لـمـا عـلـمـت ان المقصود من صلاة الظهر بعدها ،هو الاحتیاط ، والخروج من عهدة الخلاف بین الائمة .

وهـذا الـمـعـنـی لایـختص بالقری الصغیرة بل هو متحقق فی کل مـوضـع وجـد فیـه الـخـلاف فی صحة الجمعة او فی وجوبها فیه، والـخـلاف لا یـختص بالقری الصغیرة کما علمت مما سبق(احسن القرا فی صلاة الجمعة فی القریٰ، ص۱۷ الیٰ ۱۹،الموضع السابع صلاة الظهر بعدها ، الطبعة الثانیة :سنة ۱۳۵۵ هـ ،1936ء ،مطبوعة: جمعیة الازهر العلمیة، مصر)

ترجمہ: جمعہ کے بعد ظہر کی نماز کے متعلق شافعیہ کا قول ہے کہ جمعہ کے بعد احتیاطاً ظہر کی نماز پڑھی جائے گی ،جیسا کہ ان کی کتابوں میں اس کی تفصیل مذکور ہے،اور متاخرینِ حنفیہ بھی اس کے قائل ہیں،جس کا انہوں نے احتیاطاً حکم دیا ہے، کیونکہ جمعہ کی نماز کے لیے شہر کے شرط ہونے نہ ہونے میں ائمہ کا اختلاف ہے،اور شہر کی تعریف میں بھی اختلاف ہے،اور ایک شہر میں ایک سے زیادہ جگہ جمعہ کے جائز ہونے نہ ہونے میں بھی اختلاف ہے،اور اس تعداد میں بھی اختلاف ہے،جس کے ذریعہ سے جمعہ منعقد ہوتا ہے،اور بادشاہ یا اس کے نائب کی اجازت سے جمعہ کی نماز قائم ہونے کے شرط ہونے نہ ہونے میں بھی اختلاف ہے۔

پس اس تمام تفصیل سے سوال کا جواب معلوم ہوگیا،اور یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ قطعی بات جس پر فقہاء کا اتفاق ہے، وہ جمعہ کا فرض ہونا ہے،جس کا ترک کرنا جائز نہیں،اور اس کی فرضیت کا انکار کرنے والا کافر ہے،اور یہ اسلام کے شعائر

میں سے ہے۔

اور ہر وہ مقام جس میں فقہاء کا اختلاف ہو، چاہے وہ جمعہ کی شرط ہو یا شرط نہ ہو، تو اس کے دلائل ظنی ہیں، پس جمعہ کے فرض ہونے کی دلیل قطعی ہے، اور دوسری چیزوں کے شرط ہونے کی دلیل ظنی ہے۔

اور یہ بات مخفی نہیں کہ شہر کا شرط ہونا اور حاکم کی اجازت کا ہونا، کسی ایسی قطعی چیز کی وجہ سے نہیں ہے کہ جمعہ اس کے بغیر وجود میں نہ آتا ہو، کیونکہ اس کے اور جمعہ کی نماز کے درمیان (ایسا کوئی حتمی) تعلق نہیں، اور حاکم کی اجازت کی شرط، جھگڑے کو روکنے کے لیے ہے، جیسا کہ فقہاء نے فرمایا (کیونکہ بڑے مجمع میں جھگڑے کا امکان زیادہ ہوتا ہے) اور شہر کی شرط اس مقام کو بیان کرنے کے لیے ہے، جس میں جمعہ قائم کرنے کا ہمیں حکم ہے (اس سے دوسری جگہ جمعہ کے قیام کا عدمِ جواز لازم نہیں آتا)

اور یہ بات بھی مخفی نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت اور فضل سے اس بات کو مقدر فرمادیا ہے کہ جس مسئلہ میں جس پہلو کی طرف مجتہد کی رائے پہنچائے، وہ اس مجتہد کے حق میں اللہ تعالیٰ کی شریعت ہوتی ہے، اور ہر وہ شخص جو اس پر عمل کرے، تو اس کا عمل طاعت اور صحیح عبادت بنتا ہے، اگرچہ مجتہد نے اس میں خطاء کی ہو، پس مجتہد کی خطاء کا، اللہ کے نزدیک جو حکم ہے، اس پر نظر کرتے ہوئے ہے، ہمارے عامیوں کی طرف اور جس کی طرف اس کا اجتہاد پہنچائے، اس کے اعتبار سے خطاء نہیں، بلکہ اس کے اعتبار سے بالاجماع صواب ہے۔

اور مذکورہ تفصیل سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ مکلّف کے لیے زیادہ احتیاط جب وہ اپنے ذمہ میں مکلّف چیز کے عہدہ سے یقین کے ساتھ نکلنا چاہے، اور تمام مذاہب کے مطابق فرض کو ادا کرنا چاہے، یہ ہے کہ وہ جمعہ کی نماز ہر اس مقام پر ادا

کرے، جہاں کسی مجتہد امام کے قول پر واجب ہو، اگرچہ بہت چھوٹا گاؤں کیوں نہ ہو، اور جمعہ کی نماز کے بعد ظہر بھی پڑھ لے، جس سے ہر دن کے اس وقت کے فرض کو ادا کرنے کی نیت کرے، اس مجتہد امام کے قول کے مطابق، جو کسی شرط وغیرہ کے فوت ہونے کی وجہ سے اس جگہ جمعہ کی نماز کے واجب یا صحیح نہ ہونے کا قائل ہے، اور اس کی وجہ وہی ہے، جو ہم نے ذکر کی کہ جمعہ کی نماز یقینی فریضہ ہے، جس کا ترک کرنا جائز نہیں، اور نہ اس کا انکار کرنا جائز ہے، اور نہ اس میں سستی کرنا جائز ہے، جس کے دلائل قطعی ہیں، اور ان کے علاوہ جن چیزوں میں اختلاف جاری ہوا ہے (مثلاً شہر کا ہونا) وہ ظنی ہیں۔

اور ہم آپ کے سامنے ''فتاویٰ الحجۃ'' کا یہ قول ذکر کر چکے ہیں کہ چھوٹے گاؤں میں احتیاط جمعہ کی نماز پڑھنے، اور اس کے بعد چار سنتیں پڑھنے، پھر دو رکعت سنتِ وقت پڑھنے، پھر چار رکعت پڑھنے میں ہے، الخ، جس کا حوالہ پہلے گزر چکا ہے، اور چار رکعتوں سے مراد وہ ہیں، جن میں اس دن کے ظہر کی نیت کرے گا، جیسا کہ گزر چکا۔

البتہ ہم یہ بات کہتے ہیں کہ جمعہ کی نماز کے بعد احتیاطاً ظہر کی نماز چھوٹے گاؤں کے ساتھ خاص نہیں ہے، جیسا کہ آپ کو معلوم ہو چکا کہ جمعہ کے بعد ظہر کی نماز سے مقصود، مختلف فقہاء اور ائمہ کے درمیان اختلاف کی ذمہ داری سے خروج ہے۔

اور یہ مقصود چھوٹے گاؤں کے ساتھ خاص نہیں ہے، بلکہ وہ ہر اس مقام پر متحقق ہوتا ہے، جس میں جمعہ کے صحیح ہونے یا واجب ہونے میں اختلاف پایا جاتا ہو، اور یہ بات ظاہر ہے کہ اختلاف چھوٹے گاؤں کے ساتھ خاص نہیں، جیسا کہ گزشتہ تفصیل سے آپ کو معلوم ہو چکا (احسن القرا)

www,idaraghufran.org

شیخ موصوف آگے چل کر مزید فرماتے ہیں:

فان قلت ان مذهب كل مجتهد فى مواضع الخلاف صواب فى ظنه خطأ فى ظن غيره، فكيف يسوغ للحنفى ان يصلى الجمعة فى القرى الصغيرة وهى باطله فى مذهب ، ولايجوز الشروع فى عمل باطل؟

قلنا ان كون مذهب غيره خطأ انما هو فى ظنه فقط لا فى الواقع ، وقولك لايجوز الشروع فى باطل محله فى الباطل الذى تبين بطلانه ، والخطأ الذى تبين خطأه ، وذلك فيما اجمع على انه باطل وخطأ، لانه يكون كذلك فى الواقع ونفس الامر، فلايجوز الشروع فيه ولا للعمل به بحال، وما نحن بصدده ليس كذلك

(احسن القرا فى صلاة الجمعة فى القرىٰ، ص ٢١، ٢٢،بيان وايضاح لقول القائل ، الطبعة الثانية :سنة ١٣٥٥ هـ ،1936ء ،مطبوعة: جمعية الازهر العلمية، مصر)

ترجمہ: اگر آپ یہ شبہ کریں کہ اختلافی مسائل میں ہر مجتہد کا مذہب اس کے گمان کے مطابق صواب ہے، دوسرے کے گمان کے مطابق خطاء ہے، پس حنفی کے لیے کیسے جائز ہے کہ وہ گاؤں میں جمعہ کی نماز پڑھے، جبکہ وہ اس کے مذہب میں باطل ہے، اور باطل عمل کو شروع کرنا جائز نہیں؟

ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ دوسرے کے مذہب کا خطاء ہونا، صرف اس مجتہد کے ظن کے مطابق ہے، حقیقت کے مطابق نہیں، اور رہا آپ کا یہ کہنا کہ باطل عمل کو شروع کرنا جائز نہیں، تو اس کا محل وہ باطل عمل ہے، جس کا بطلان واضح ہو، اور وہ خطاء ہے، جس کی خطاء واضح ہو، اور یہ بات ان امور میں ہوتی ہے، جن کے باطل اور خطاء ہونے پر اجماع ہو، کیونکہ وہ امور واقع اور نفسُ الامر میں بھی

www,idaraghufran.org

اسی طرح باطل اور خطاء ہوتے ہیں، لہٰذا نہ تو ان کو شروع کرنا جائز ہے، اور نہ کسی حال میں ان پر عمل کرنا جائز ہے، اور ہمارا زیرِ بحث مسئلہ اس طریقہ سے نہیں ہے (کیونکہ اس کے بطلان وخطاء پر اجماع نہیں ہے) (احسن القرا)

آخر میں یہ بھی عرض ہے کہ مذکورہ تفصیل جو ذکر کی گئی، وہ ہمارے رجحان کے مطابق ہے، لیکن چونکہ مذکورہ صورت میں بعض اہلِ علم حضرات کا رجحان، جمعہ کی نماز کے بجائے، روزمرہ کی طرح ظہر کی نماز پڑھنے کی طرف ہے، اور وہ اہلِ علم حضرات بھی اصحابِ افتاء ہیں، جن کے فتویٰ پر عوام کو عمل کر لینے کی اجازت ہے، اور زیرِ بحث مسئلے کا مجتہَد فیہا ہونا بھی واضح ہے۔

اس لیے اگر کوئی موجودہ حالات میں اُن اہلِ علم حضرات کے فتویٰ پر عمل کرتے ہوئے، روز مرہ کی طرح جمعہ کے دن بھی ظہر کی نماز پڑھے، تو اس کے ذمہ سے بھی فریضہ ادا ہو جائے گا۔

مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ:

استنباط سے جو حکم فقہاء نکالیں گے، اس کے بارے میں قطعی طور پر یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اللہ کے نزدیک قطعی طور پر یہی حق ہے، بلکہ اس حکم کے خطاء ہونے کا بھی احتمال باقی رہتا ہے، ہاں اس کے صحیح ہونے کا ظن غالب حاصل ہو جاتا ہے، جو عمل کے لیے کافی ہے (معارف القرآن، ج۲، ص۴۹۴، سورہ نساء، مطبوعہ: ادارۃ المعارف، کراچی،

سنِ اشاعت: ذوالحجہ ۱۴۱۱ ہجری، جون 1991ء)

جس کے متعلق اس سے پہلے مضمون میں باحوالہ تفصیل ذکر کی جا چکی ہے۔

فقط

وَاللّٰہُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالٰی اَعْلَمُ.

محمد رضوان خان 15/شعبان المعظم/1441ھ 09/اپریل/2020 بروز جمعرات

ادارہ غفران، راولپنڈی، پاکستان

www,idaraghufran.org